الله

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا إله إلا الله محمد رسول الله

کتابچہ نمبر 26

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

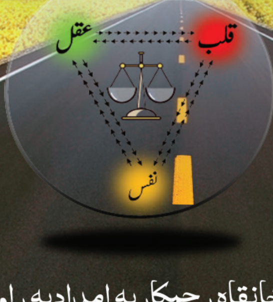

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 26

(شوال۔1445ھ) بمطابق (الاحزاب۔الرضوان۔1402 شمسی ہجری)
بمطابق (اپریل۔2024ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ
مکان نمبر CB-1991/1 ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
گلی نمبر 4 ۔ نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد ۔ ویسٹرج 3 ۔ راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالیٰ	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	5
4	کلام	6
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	7
6	خواتین بیان	9
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	32
7	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	58
8	توضیح المعارف (قسط 13)	73
9	خانقاہ کے شب و روز	79

دیباچہ

الحمد للہ! اللہ پاک کا شکر ہے کہ شاہراہئے معرفت کا چھبیسواں شمارہ مختلف مضامین پر مشتمل آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

اس شمارے کی ابتدا حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک عارفانہ کلام شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں ان میں پہلا "مطالعہ سیرت" کے عنوان سے ہے جس میں فرض نماز اور روزہ اور نفل نماز اور روزہ کے اجر کے درمیان فرق کو بیان فرمایا گیا ہے، نیز شوال کے چھ روزے رکھنے کی حکمت کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون اصلاحی بیان ہے جس میں سب سے پہلے آخرت کی تیاری کے لیے نفس کی اصلاح کرنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے پھر صحبتِ صالحین کی ضرورت کو بیان کرنے کے بعد شیخ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے اور اس کے ذریعے اللہ پاک کا تعلق حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اس شمارے میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب سے تعلیمات بیان کی گئی ہیں جن میں حضرت نے سب سے پہلے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر میں داخل ہے۔ پھر صحبتِ شیخ کی ترغیب میں ایک صاحب کو مکتوب لکھا ہے جس میں کافی تفصیل اور مختلف مثالوں کے ذریعے ان کو شیخ کی صحبت اختیار کرنے کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ اس مکتوب کی تشریح کے ضمن میں دو غزلوں کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ آخر میں اغنیاء کی صحبت سے بچنے اور فقراء کی صحبت کے حصول کی ترغیب دی ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" کے ساتویں باب میں سے حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متفرق حالات و مقامات اور انفاس کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تصوف کی چند ضروری اصطلاحات کی سہل انداز میں تعریف

اور تشریح کی گئی ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل مدظلہ

حمد شریف

لا الہ الا اللہ

زبان پہ جاری رہے لا الہ الا اللہ
نہیں میرا کوئی مقصود مگر ایک خدا

میرا سب کچھ خدا کے واسطے ہو میں بھی ساتھ
مگر ہو کیسے؟ سکھائے یہ محمد مصطفےٰ ﷺ

جب محمد ﷺ کا طریقہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
اور خدا کے لیے نہ ہو یہ تو پھر کیا رہا

اسے طریقِ محمد ﷺ ہی چاہیے ہے فقط
راستے بند ہیں سبھی صرف یہی ہے راستہ کھلا

ہو محبت خدا کی دل میں مجتبیٰ کی طرح
کہ اتباع ہی سے اس کے بنیں گے ہم مجتبیٰ

دل کو خالی کرو دنیا سے شبیرؔ بالکل ہی
دل میں دنیا کی طلب ہو تو وہ نہیں آتا

کتاب: پیغامِ محبت

نعت شریف

حاضر ترے قدموں میں سدا یہ غلام ہو

حاضر ترے قدموں میں سدا یہ غلام ہو
لاکھوں درود آپ پہ لاکھوں سلام ہو

قسمت جو مری چمکی تو حاضر ہوا یہاں
محشر میں بھی قدموں میں یوں میرا مقام ہو

میری تو سئیات ہی جھولی میں پڑی ہیں
اللہ کی معافی کا میسر انعام ہو

ہو جائے مرا ختم گناہوں کا سلسلہ
ہو جائے گر کرم یہ سلسلہ تمام ہو

ہو تیری محبت سے تری اتباع نصیب
بدعات سے خالی مرا ہر ایک کام ہو

شبیؔر ترے در پہ ہے حاضر زہے نصیب
اے کاش اسے نعمت یہ میسر مدام ہو

شاہراہِ محبت

عارفانہ کلام

عید کے دن کیا کریں؟

نورِ تقوی سے تو نعمت کی شناخت کرلو
حکم سے اسکے استعمال وہ نعمت کرلو

نور تقویٰ کا ملا تم کو جو رمضان سے ہے
باقی رکھنے کیلئے تھوڑی سی محنت کرلو

لیلۃُ العید میں ناجنس کی صحبت سے بچو
رات اچھی ہے کچھ اس میں بھی عبادت کرلو

لیلۃُ الجائزہ مزدوری کے ملنے کی ہے رات
اس کے لینے کے لئے تھوڑی سی حرکت کرلو

عید روحانی خوشی کا ہے ذریعہ کیا خوب
جائز اعمال سے حاصل اسکی لذت کرلو

نفس کو نفس کی چاہتوں کے حوالے نہ کرو
یہ اگر چاہے تو اس کی مخالفت کرلو

کپڑے اچھے، کھانا اچھا ہو مبارک تم کو
ہاں کسی طرح نہ تم قصد معصیت کرلو

لب پہ تکبیر ہو اور دل شکر سے ہو لبریز
واسطے اس کے قبول میری نصیحت کرلو

ے ہو ملنا صلہ رحمی کے لئے
دل سے کینے کو اور بغض کو رخصت کرلو

بھول جانا نہیں اس دن مرنے والوں کو بھی
ہو اگر صورتِ امکاں ان کی زیارت کرلو

ہاں مگر عورتوں کا جانا قبرستاں نہیں درست
لازم اپنے پہ پابندیٔ شریعت کرلو

اپنی خوشیوں میں غریبوں کی خوشی یاد رہے
صدقہ فطرانہ سے کچھ ان کی بھی خدمت کرلو

دینا بچوں کو ہو عیدی تو یہ بدلے پہ نہ ہو
اس طرح سود سے اپنی محافظت کر لو

تم اگر چاہو کہ دل کی خوشی کو پاجاؤ
یہ چند اشعار تم شبیرؔ کے سماعت کرلو
پیغام محبت

مطالعہ سیرت بصورت سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

سوال:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں روزے کا ذکر تقویٰ کے حصول کے لئے فرمایا ہے۔ اسی طرح نماز کے بارے میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور منکرات سے بچاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ روزہ اور نماز کی جو خاصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں کیا یہ فرض روزہ اور فرض نماز کے ساتھ مشروط ہیں یا نوافل کے ذریعے بھی ان خاصیتوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟ نیز شوال کے 6 روزوں کے بارے میں جو حدیث شریف میں آیا ہے، کیا یہ روزہ کی خاصیت یعنی تقویٰ کے حصول کے اعتبار سے ہے یا اس کے اجر کے لحاظ سے ہے؟ یعنی شوال کے نفلی 6 روزے اور دیگر مہینوں کے نفلی 6 روزے اجر کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں یا ان میں فرق ہو گا؟

جواب:

سوال بالکل واضح ہے، اس میں صرف ایک بات سمجھانی ہے کہ ایک ہوتا ہے کسی عمل کا اثر، اور ایک ہوتا ہے کسی عمل کا اجر۔ جہاں تک اثر کی بات ہے تو نفل نماز پڑھیں گے تو اس کا بھی وہی فائدہ ہے جو فرض نماز کا ہے۔ یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی برکت سے انسان فواحش سے رکتا ہے۔ اور روزہ میں انسان تین چیزوں سے رکتا ہے یعنی نفس پر پیر رکھتا ہے، پس نفلی روزہ بھی رکھے گا تو اس کا وہی اثر ہو گا۔ البتہ ماحول کا اثر ضرور ہوتا ہے، مثلاً رمضان شریف میں سارے لوگ روزے رکھتے ہیں، تو اس کا اثر پورے ماحول پر آتا ہے۔ جبکہ نفلی روزے کوئی کوئی رکھتا ہے، لہٰذا اس کے لحاظ سے اس کا اثر انفرادی ہوتا ہے۔ اسی طرح مردوں کی فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور فرض ہونے کی وجہ سے باقاعدگی کے ساتھ ادا

کی جاتی ہے، لہٰذا اس کا اثر اس کے حساب سے ہوتا ہے۔ اور نفل چونکہ انفرادی ہوتا ہے اس لئے اس کا اثر بھی انفرادی ہوتا ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ البتہ جہاں تک فرق کا سوال ہے، تو ضرور فرق ہے۔ کیونکہ فرض نماز کے اجر تک نفل نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن فرائض محدود ہیں، یعنی وہ خاص تعداد کی رکعتیں ہوتی ہیں۔ جیسے فجر میں دو رکعات فرض ہیں، ظہر میں چار رکعات فرض ہیں، عصر کی بھی چار رکعات ہیں، مغرب کی تین رکعات ہیں اور عشاء کی چار رکعات فرض ہیں اور تین رکعات وتر (واجب) ہیں۔ ان کا اجر یقیناً بہت زیادہ ہے، اتنا زیادہ اجر ہے کہ اگر فرض کسی سے رہ جائے تو چاہے ساری عمر نفل پڑھے، اس اجر کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا فرائض کا اہتمام بہت زیادہ ہونا چاہیے کہ کہیں وہ رہ نہ جائیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ نفل قیامت میں فرائض کی تکمیل بھی کریں گے۔ یعنی اگر کسی سے فرض رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نوافل سے ان کی تکمیل کروا دے گا۔ لہٰذا نوافل کا اچھا خاصا کوٹہ اپنے ساتھ رکھنا چاہیے۔ بہر حال شوال کے چھ روزوں کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ شیطان کے آزاد ہونے کی وجہ سے ماحول کے اندر جو ایک بگاڑ آنا شروع ہو جاتا ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ روزے رکھنے کا فرمایا گیا ہے تاکہ اس کے سامنے بند باندھا جا سکے اور آدمی اس سے محفوظ رہ سکے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

اصلاحی بیان

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

(الحشر: 19-18)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور تم ان جیسے نہ ہوجانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے، تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کردیا۔ وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں“۔

بزرگو، دوستو! یہ اللہ پاک کی طرف سے خصوصی مدد ہے کہ مولانا صاحب نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ اس میں ایک بہت بڑا message ہے۔ message یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں ہیں، لیکن اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے ہم نہیں آئے، بلکہ ایک دن ہم سب نے جانا ہے اور جہاں جانا ہے وہاں ہمارا اصل ٹھکانہ ہے اور وہاں ہمیں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔ کون کس حالت میں رہتا ہے، یہ تو اللہ پاک کو پتا ہے، کوئی اور یہ نہیں جانتا۔ لیکن ہمیں وہاں اچھا رہنے کے لئے یہاں کس طرح رہنا چاہئے، یہ بتایا گیا ہے۔ پورا قرآن یہ بتاتا ہے، احادیث شریفہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے اور بزرگ حضرات بھی یہ بتاتے رہتے ہیں۔ اب عمل کرنے کی بات ہے، تو یہ ہمارا اپنا عمل ہے اور اپنی ذمہ داری ہے کہ ہم اس پر عمل کرلیں اور اس کو سمجھیں، کیونکہ سب سے پہلے سمجھنا

ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد اس پر عمل کرنا ہوتا ہے، اور عمل بھی اخلاص کے ساتھ کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تین کام ہیں جو بہت ضروری ہیں۔ بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ علم حاصل کرو، پھر کرنا کیا ہے؟ پھر اس کو کرو، لیکن اللہ کے لئے کرو۔ تو یہ 3 باتیں ہیں۔ ان تین باتوں میں 2 رکاوٹیں ہیں، ایک نفس کی رکاوٹ ہے۔ نفس کی تین قسمیں قرآن نے بتائی ہیں: نفس امّارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ۔ نفس کے اندر اللہ جل شانہٗ نے دو چیزیں رکھی ہیں، اس کا اللہ پاک نے الہام فرمایا ہے اور اعلان بھی فرمایا ہے۔ نمبر ایک فجور بھی اس میں ہیں اور تقویٰ بھی اس میں ہے، البتہ فجور By default ہے یعنی اگر محنت نہ کی گئی تو فجور ہے، کیونکہ نفس امّارہ کے ساتھ انسان پیدا ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ حاصل کرنا پڑتا ہے، یعنی اس کے لئے محنت ہے۔ اگر اس کے لئے محنت نہ ہوتی تو یہ آیت بھی نہ ہوتی۔ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ اس کے لئے محنت ہے اور فجور کے لئے کوئی محنت کی ضرورت نہیں۔ مثلاً پانی نیچے کی طرف یعنی ڈھلوان کی طرف جاتا ہے، اس پر کوئی محنت نہیں ہے، لیکن اوپر لے جانا ہو تو اس کے لئے محنت ہے۔ اندھیرے کے لئے کوئی محنت نہیں ہے، لیکن روشنی کے لئے محنت ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگوں کو اپنے نفس امّارہ کو نفس مطمئنہ بنانا ہے۔ اسی کو اصلاح نفس کہتے ہیں، یہ کوئی اور چیز نہیں ہے، یعنی ہمارا نفس وہ کرے جو کرنا چاہئے اور وہ نہ کرے جو نہیں کرنا چاہئے۔ اب جو کرنا چاہئے وہ اخلاق حمیدہ ہیں اور جو نہیں کرنا چاہئے وہ اخلاق ذمیمہ ہیں۔ ہم اخلاق ذمیمہ کو چھوڑ کر اخلاق حمیدہ اختیار کر لیں یہی ہمارا کام ہے اور اسی کو حاصل کرنے کے لئے اللہ پاک نے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بہت ساری جگہوں پر یہ مضمون مختلف پیرائیوں میں بیان فرماتے ہیں۔ یہاں پر بھی یہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرو، یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ یہاں دو دفعہ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ پہلی دفعہ اس لئے فرمایا ہے کہ تیاری کرو، کل کے لئے کیا بھیجو گے؟ اس کو سوچو، تو اللہ پاک تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم یہ کرو۔ دوسری دفعہ "اللہ سے ڈرو" کا مطلب یہ ہے کہ اسے سرسری نہ لینا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو

اللہ تعالیٰ کو اس کا پتا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے۔ مجھ سے شاید کل یا پرسوں پوچھا گیا تھا کہ مراقبہ کیا ہوتا ہے؟ اور غور و فکر اور مراقبہ میں کیا فرق ہے؟ جس پر میں نے عرض کیا تھا کہ انسان کا قرآن میں یا حالات میں غور و فکر کرنا کہ صحیح چیز کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ کرنا کیا ہے اور کیا نہیں کرنا، یہ غور و فکر ہے۔ مراقبہ میں یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کو کرنا ہے، اس پر focus کرنا کہ وہ صحیح ہو رہا ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر کسی کو کسی چیز کا علم ہے، لیکن وہ علم اتنا مستحضر ہو جائے کہ وہ کسی وقت بھی آپ بھول نہ سکیں۔ مثلاً انسان جس وقت کھلکھلا کر ہنس رہا ہوتا ہے اور قہقہے لگا رہا ہوتا ہے تو یہ غافل ہے، کیونکہ اس کو نہیں پتا کہ بعد میں کیا ہونے والا ہے۔ اور جو غافل نہیں ہے وہ بمشکل مسکراتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ آپ ﷺ لوگوں کے لئے مسکراتے تھے، ورنہ اپنی حالت آپ ﷺ کی ایسی نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک مرتبہ مکالمہ ہوا تھا۔ یحیٰ علیہ السلام چونکہ بہت روتے تھے، اتنا روتے تھے کہ ان کے گالوں پر باقاعدہ آنسوؤں کے راستے بن گئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسکراتے رہتے تھے۔ تو یحیٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کیسے ہنستے ہیں؟ کیا آپ کو وہاں کے حالات کا پتہ نہیں ہے؟ اللہ سے ڈر نہیں ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ پاک سے اچھی امید نہیں ہے کہ اللہ پاک بہت غفور و رحیم ہے، کریم ہے۔ اللہ پاک نے فرشتہ بھیجا ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے۔ اللہ پاک نے ان سے یہ فرمایا کہ اے عیسیٰ! تم دن میں ایسے رہو جیسے ابھی ہو اور رات کو ایسے بن جاؤ جیسے یحیٰ ہے۔ اور اے یحیٰ! تم رات کو ایسے رہو جیسے ابھی ہو اور دن کو ایسے بن جاؤ جیسے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ جو مسکراتے تھے تو وہ لوگوں کے لئے مسکراتے تھے کہ کہیں گھبراہٹ کی وجہ سے ان کے کلیجے نہ پھٹ جائیں، ورنہ آپ ﷺ خود فرماتے تھے:

”وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا“ (سننِ ترمذی: 2312)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر وہ تم لوگ بھی جان لو تو ہنسو گے کم اور روؤ گے زیادہ“۔

اسی لئے جو عارف ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لئے اور ان کے حوصلوں کو برقرار رکھنے

کے لئے سب کچھ کرتا ہے، ورنہ صحیح بات ہے کہ وہ سب چیزیں سمجھتا ہے۔ خیر، مراقبہ کا میں بتا رہا تھا کہ مراقبہ بھی علم کو حال کے درجے میں لانا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مجھے اللہ پاک کی ایک صفت کا پتا ہے کہ اللہ دیکھ رہے ہیں۔ اب کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کو یہ پتا نہ ہو کہ اللہ دیکھ رہے ہیں اور ہر وقت دیکھ رہے ہیں، لیکن کیا اس کو ہم ہر وقت محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ دیکھ رہے ہیں؟ تو اس میں جتنی کمی ہوگی اتنی اعمال میں کمی ہوگی، گناہوں کی زیادتی ہوگی، تو اس چیز کو پیدا کرنے کے لئے کہ جو علم ہے وہ حال بن جائے، اس کے لئے محنت ہے اور اسی محنت کو ہم لوگ پہلے سے تصوف کہتے ہیں۔ اگر کسی کو ناراضگی ہے تو کوئی اور نام لے لیتے ہیں لیکن چیز تو ایک ہی ہے۔ مثلاً میں آپ کو بتاؤں کہ اس شہر کا نام باٹلے ہے۔ اگر کسی کو یہ ناپسند ہے تو کیا وہ اس کا نام change کرسکتے ہیں؟ بلکہ جس نے یہ نام رکھا ہے تو بس نام تو اس کا یہی ہوگا۔ اب اگر وہ کام کے لئے یہاں آئے تو اسے باٹلے کے نام سے کوئی غرض نہیں ہوگی بلکہ اپنے کام سے اس کو غرض ہوگی۔ ایسے ہی تصوف ہے کہ بیشک اس کو کوئی بھی نام دے دیں لیکن قرآن میں اس کا نام تزکیہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ (الشمس: 9 10)

ترجمہ: ”فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے۔ اور نامراد وہ ہوگا جو اس کو (گناہ میں) دھنسا دے“۔

لہٰذا قرآن میں اس کا نام تزکیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُزَكِّيْهِمْ﴾ (الجمعہ: 2)

ترجمہ: ”(اور وہ پیغمبر) ان کو پاکیزہ بنائیں“۔

اور حدیث شریف میں اس کا نام احسان ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے تین سوال کیے گئے تھے، ایمان کیا ہے، اسلام کیا ہے اور احسان کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اس کے جواب میں ایمان کے شعبے بتائے، اسلام کے جواب میں اسلام کے ارکان بتائے اور احسان کے جواب میں فرمایا: ”اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ“۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

”يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهٖ، وَكِتَابِهٖ،

وَلِقَائِهٖ، وَرُسُلِهٖ۔ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: اَلْإِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ۔ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ"۔ (صحيح مسلم: 97)

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتاب، (قیامت کے روز) اس سے ملاقات (اس کے سامنے حاضری) اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور آخری (بار زندہ ہو کر) اٹھنے پر (بھی) ایمان لے آؤ۔" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، لکھی (فرض کی) گئی نمازوں کی پابندی کرو، فرض کی گئی زکاۃ ادا کرو۔ اور رمضان کے روزے رکھو۔" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

تو یہ کیفیتِ احسان ہے کہ انسان ایسی عبادت کرے جیسے وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اب خدا کو کوئی دیکھ نہیں سکتا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا:

﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ (الاعراف: 143)

ترجمۃ: "تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکو گے"۔

یعنی خدا کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن وہ دیکھنے والی حالت کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے، اس کے ہم مکلف ہے، یہی پیدا کرنے کے لئے فرمایا "اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ"۔

لہٰذا یہ جو کیفیت احسان ہے، اسی کو پیدا کرنے کے جو ذرائع ہیں، قرآن میں اس کو تزکیہ اور عام لوگ اس کو تصوف کہتے ہیں اور ہم سب بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن کام یہی ہے، اس کام کو کرنا پڑے گا اور اگر اس کام کو نہیں کریں تو پھر کیا ہو گا؟ فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

(الحشر: 19)

ترجمہ: ”اور تم ان جیسے نہ ہوجانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے، تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کردیا۔ وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں“۔

اس وقت آپ ارد گرد دیکھو، لوگ کتوں کے ساتھ پھر رہے ہیں یا نہیں پھر رہے؟ اگر صحبت صالحین نہیں ہے تو کتوں کے ساتھ رہیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حدیث قدسی ہے۔

”يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلأْتُ يَدَيْكَ شُغْلاً وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ“۔ (ترمذی: 2466)

ترجمہ: ”اے ابنِ آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرا سینہ مال داری سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کا دروازہ بند کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تیرے دونوں ہاتھ مَشاغل سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کا دروازہ بند نہ کروں گا“۔

اب ہم ذرا غور سے دیکھ لیں کہ لوگ کس قسم کی چیزوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ معمولی معمولی چیزیں ہوں گی لیکن اس نے اپنے لئے سب سے بڑا کام بنایا ہوا ہوگا اور وہ سمجھتے ہیں کہ بھائی! اس کے بغیر تو ہماری زندگی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل خالی ہیں۔ میں جب راستے پر جاتا ہوں، تو کبھی گاڑی پاس سے گزرتی ہے اور اس پر ڈرم میوزک لگا ہوتا ہے، بہت گہری آواز ہوتی ہے اس کی۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس کا دل اندر سے خالی ہے۔ کیونکہ اگر اس کا دل اندر سے خالی نہ ہو تو اس کو اس چیز کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ شیطان ایسا عجیب نظام پیدا کرتا ہے کہ جس چیز سے اس کو نقصان ہو، اسی کو ہی وہ اپنے لئے علاج سمجھتا ہے۔ میں آپ کو ایک عجیب بات بتاتا ہوں۔ میں جب جرمنی میں گیا تھا، تو ظاہر ہے کہ جس ملک میں آپ جاتے ہیں تو وہاں کی زبان سیکھنی پڑتی ہے، تو میں بھی وہاں کلاس میں جرمن زبان سیکھنے کے لئے جایا کرتا تھا، وہاں ہماری جو teacher تھیں، وہ جرمن زبان سکھاتی تھیں، ان کے اپنے طریقے تھے، ایک چھوٹی سی کتاب ہوتی تھی وہ اس کو chapter-wise پڑھاتی تھیں، پھر اس کے بعد آپس میں Group discussions ہوتی تھیں، تاکہ ان کی زبان چل پڑے۔ تو ایک لیکچر تھا جو میوزک کے بارے میں تھا، جب chapter پڑھا گیا تو اس کے بعد Group discussions شروع ہوگئی۔ تو وہ ہر ایک سے پوچھتے

ہیں کہ تمہارا میوزک کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تاکہ ان کی زبان کھلے، جب مجھ سے پوچھا کہ آپ کا میوزک کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کون سا میوزک؟ جو بیماری ہے؟ وہ ہکی بکی رہ گئی کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، مجھے کہا کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا دیکھو! میں دو قسم کے میوزک کو جانتا ہوں، ایک ہے Western اور دوسرا Eastern۔ Eastern میوزک میں تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ میں پارہ پارہ ہوجاؤں، میں ذرہ ذرہ ہوجاؤں، میں زمین میں دھنس جاؤں، میں آسمان میں گھس جاؤں، یہی ہوتا ہے؟ کہتی ہاں۔ میں نے کہا کہ کیا anxiety نہیں ہے؟ کیا یہ subject بیماری نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ جو Eastern میوزک ہے اس میں ایک آدمی کہتا ہے کہ میں سو جاؤں، مجھے کوئی چھیڑے نہیں، میں بس گم ہوجاؤں۔ میں نے کہا کہ اس سے یہ بنتا ہے یا نہیں بنتا؟ یہ غم زدہ گانے اسی لئے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ایسا ہوتا ہے؟ کہتی ہے ہوتا ہے۔ میں نے کہا کیا یہ depression نہیں ہے؟ تو وہ بے حال ہوگئی کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر مجھے کہتی کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا جب ان چیزوں سے لوگ نفسیاتی مریض ہوجاتے ہیں، تو ڈاکٹر لوگ ان کو علاج کے لئے natural میوزک بتاتے ہیں، وہ کہتی natural میوزک کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا سمندر کے پانی کا شور، درختوں کے چلنے کی آواز، بچوں کا کھکھلانا اور مرغ کی اذان اور اسی طرح کی چیزیں۔ وہ بہت زیادہ متأثر ہوئی اور کچھ دنوں کے بعد میری لئے کیسٹ لائی، اور بتایا کہ اس میں مرغ کی اذان ہے، اس میں سمندر کے پانی کا شور ہے۔ دراصل جب کسی کا دل لگ جاتا ہے تو وہ research کر لیتا ہے۔ بہرحال میرا مقصد یہ ہے کہ ہماری حالت یہ ہے کہ میوزک جو ایک بیماری ہے اس سے لوگ اپنے لئے علاج کر رہے ہیں، اب بتاؤ! کیا ہو رہا ہے۔ یہی بات ہے جو اللہ پاک نے فرمایا کہ تم ان جیسے نہ ہوجانا جو اللہ کو بھول بیٹھے، تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کردیا، وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

آگے اللہ پاک فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ﴾ (الحشر: 20)

ترجمہ: ”جنت والے اور جہنم والے برابر نہیں ہوسکتے۔ جنت والے ہی وہ ہیں جو

کامیاب ہیں"۔

یعنی نتیجہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ کا تعارف ہے۔

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الحشر:21)

ترجمہ: "اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جا رہا ہے، اور پھٹا پڑتا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں"۔

ہمارے شیخ مولانا محمد اشرف صاحب (چونکہ یہ بہت بڑے عالم تھے) فرما رہے تھے کہ میں قرآن پاک پڑھ رہا تھا تو جب یہ آیت میرے سامنے آئی تو دل پر وارد ہوا کہ یہ قرآن پاک میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ میرے دل میں خیال ہوا کہ اس سے آگے، پیچھے دیکھیں، تو آگے یہ ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الحشر: 22 - 24)

ترجمہ: "وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو بادشاہ ہے، تقدس کا مالک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن بخشنے والا ہے، سب کا نگہبان ہے، بڑے اقتدار والا ہے، ہر خرابی کی اصلاح کرنے والا ہے، بڑائی کا مالک ہے، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ وہ اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے صورت بنانے والا ہے، اسی کے سب سے اچھے نام ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک"۔

یعنی یہ سب اللہ پاک کی صفات بیان ہو رہی ہیں، تو اب یہ نعت کیسے کہتے ہے، میرے ذہن میں یہ بات آگئی۔ فوراً دل میں جواب آگیا کہ ذرا اس پر غور کر لو کہ یہ کیا فرمایا جا رہا ہے؟ اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر نازل کر دیتے تو وہ اس کے بوجھ سے ریزہ

ریزہ ہو جاتا، لیکن یہ حضور ﷺ کا سینہ ہے جو اتنی بڑی چیز آپ ﷺ پر اتر رہی ہے اور آپ ﷺ stable ہیں۔ تو یہ کیا ہے؟ یہ آپ ﷺ کی تعریف بیان ہو رہی ہے۔ اور آپ ﷺ کی تعریف نعت ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی اس میں تعریف کی گئی ہے۔ قرآن جیسی عظیم کتاب کو نازل کرنے کے لئے آپ ﷺ کو چنا گیا اور آپ ﷺ نے اس کو لے لیا اور پھر آپ ﷺ نے اس کو پوری امت کو دے دیا۔ تو اب یہ امت کے لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کریں۔ اور اللہ جل شانہٗ نے نظام ایسا بنایا ہوا ہے کہ دو چیزوں کو آپس میں بالکل interrelated کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ حالانکہ ہر دفعہ اس کو ہم پڑھتے ہیں، اور وہ کیا ہے؟ وہ سورہ فاتحہ ہے۔ سورہ فاتحہ میں ہم پڑھتے ہیں:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (الفاتحہ: 5-7)

ترجمہ: ”(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں“۔

میں حیران ہوتا ہوں کہ اتنی چھوٹی سی سورت ہے جو ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، لیکن میرے خیال میں اگر پوچھا جائے تو پتا نہیں کتنے فیصد لوگوں کو پتا ہو کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں، شاید بہت کم لوگوں کو پتا ہو۔ اور اس کا مفہوم جاننا تو بہت ہی کم لوگوں کو پتا ہو گا۔ اور پھر اس سے جو استفادہ کرنے والے ہیں وہ تو اور بھی زیادہ کم ہوں گے۔ حالانکہ اللہ پاک نے اس کو اتنا عام کیا ہے کہ ہر رکعت کے اندر اسے واجب بنا دیا۔ اب ہم دیکھ لیں کہ اس میں اللہ پاک کیا فرماتے ہیں، اللہ پاک اس میں ہمیں دعا سکھا رہے ہیں۔ کہ یوں دعا مانگو کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ تو یہ تین قسم کے لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ وہ لوگ جن پر انعام ہے، ان کے بارے میں قرآن بتاتا ہے کہ وہ

انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں اور صالحین ہیں۔ انبیاء کرام تو دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ان کی تعلیمات موجود ہیں، صدیقین بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور شہداء کا پتا ہی اس وقت چلتا ہے جب دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اب دیکھیں! کون رہ گئے؟ صالحین رہ گئے، تو صحبت صالحین کتنی اہم ہوگئی۔ حضرت تھانوی ﷫ فرماتے ہیں کہ میں فتویٰ دیتا ہوں (یہ میرے پاس لکھا ہوا ہے موجود ہے، "انفاسِ عیسیٰ" میں موجود ہے، تو فرمایا کہ میں فتویٰ دیتا ہوں) کہ آج کل کے لوگوں کے لئے صحبت صالحین فرض عین ہے، کیونکہ صحبت صالحین نہ ہونے کی وجہ سے ایمان بھی خطرے میں ہوتا ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو ظاہر ہے کہ صحبت صالحین کتنی ضروری ہوگی اور پھر اس کو مانگنا بھی ضروری ہوگیا اور اس کو حاصل کرنا بھی ضروری ہوگیا۔ پھر دوسری بات کہ ﴿مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ﴾ سے اور ﴿ضَآلِّيْنَ﴾ سے بچنا یہ بہت اہم بات ہے۔ لیکن اس وقت ہم کن کے طور طریقوں پر چل رہے ہیں یعنی زیادہ تر کن کے طور طریقوں پر چل رہے ہیں، ﴿اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے طریقوں پر چل رہے ہیں یا ﴿ضَآلِّيْنَ﴾ یا پھر ﴿مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ﴾ کے طریقوں پر چل رہے ہیں؟ جبکہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرہ: 120)

ترجمہ: "اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کروگے"۔

لہٰذا ہم لوگوں کو اپنی گریباں میں جھانکنا چاہئے کہ ہم کن کے طریقے پر چل رہے ہیں۔ ابھی حضرت نے Social media کی بات فرمائی تھی، تو یہ کس کا طریقہ ہے؟ کس نے نکالا ہوا ہے یہ؟ اور Social media پر اگر دیکھیں 84٪ کافر ہیں یعنی دنیا میں کم از کم 84٪ کافر ہیں، اور زیادہ سے زیادہ 16٪ مسلمان ہیں۔ اور Social media پر اگر آپ کثرت کو دیکھیں تو کثرت کن کی ہے، کثرت کافروں کی ہے۔ تو اس سے ہمارے پاس جو چیز آئے گی تو وہ کیسے آئے گی؟ ظاہر ہے کہ ان کی research کے مطابق آئے گی یعنی وہی چیز آئے گی جو انہوں نے بنائی ہے۔ اور پھر ان کے اندر شاطر لوگ بہت زیادہ ہیں، باقاعدہ ان پر Specialist PhDs کرتے ہیں، ابھی بھی اسرائیل میں ہماری مختلف چیزوں پر مختلف جگہوں پر PhDs ہو رہے ہیں، تو یہ کیا چیز ہے؟ سب

کچھ باقاعدہ پورے deliberately طریقے سے اور calculate انداز میں کر رہے ہیں لیکن ہم لوگ غافل ہیں۔ لہٰذا ان کی جو چیزیں ہماری طرف آ رہی ہیں اگر ہم ان کو بغیر کسی فلٹر کے لے لیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ہمیں خراب کریں گے۔ اب یہ فلٹر کیا ہے؟ یہ بتاتا ہوں۔ ہمارے پاس حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ یونیورسٹی میں تھے، جب کبھی ہمیں کوئی مسئلہ ہوتا جو ہمیں سمجھ نہ آتا تو حضرت کے پاس بھاگ جاتے اور حضرت سے پوچھتے کہ حضرت یہ کیا ہے؟ حضرت جواب دے دیتے تو تسلی ہوجاتی، تو یہ فلٹرز ہیں یعنی ہمیں ان لوگوں سے پوچھنا ہے جو جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالی قرآن پاک میں فرماتے ہیں: ﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (النحل: 43)

ترجمۃ: ”لہٰذا اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو“۔

لہٰذا ہمیں ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق بنانا چاہیے جو ہمیں صحیح بات بتائیں اور صحیح بات سمجھائیں، اور جو ہمارے خیر خواہ ہوں لیکن ہم لوگ کس سے consult کر رہے ہیں؟ مفتی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ حضرات شاید جانتے ہوں گے) حضرت شیر رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب تھے اور مدینہ منورہ میں تھے، حضرت کے پاس میرا اکثر جانا ہوتا تھا، جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوتا، تو حضرت مجھ سے الحمد للہ کتابوں کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے، ایک دن میں بیٹھا تھا تو میں نے دیکھا کہ پورا مکتبہ کتابوں سے بھرا ہوا ہے، میں نے کہا حضرت! یہ اتنی ساری کتابیں آپ کی ہیں؟ آج کل تو یہ ایک سی ڈی میں آجاتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا: ہم اس سی ڈی کو ٹھیک کرنے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں یعنی جو غلطیاں وہ کرتے ہیں، ان کو ہم نکالتے ہیں اور کتنی غلطیاں ہم نے نکالی ہیں۔ اور بات بھی بالکل صحیح تھی، کیونکہ بعض دفعہ غلطی سے غلطیاں کرتے ہیں اور بعض دفعہ ویسے بھی کرتے ہیں، یعنی جو لوگ قرآن بھی چھاپ سکتے ہیں تو دوسرا کام بھی کرسکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے علماء ہونے چاہئیں جو صحیح knowledge رکھتے ہوں اور ہم لوگوں کو ایسے لوگوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا چاہیئے۔ ان کو ہم رجال اللہ کہتے ہیں۔ اور اس کے فوراً بعد اللہ پاک فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ﴾ (البقرۃ: 2)

ترجمہ: ”یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے

والوں کے لئے"۔

یعنی اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں، یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور اس میں ڈرنے والوں کے لئے نصیحت موجود ہے اور ہدایت موجود ہے۔ لہٰذا جب یہ بات ہے تو کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، یہ بھی بتایا گیا اور رجال اللہ کے پیچھے چلنا ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں کو بیک وقت کرنے سے ہدایت ملتی ہے۔ کیونکہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" ہے، تو ہم کیا مانگتے ہیں؟ ہدایت، اور ہدایت کس چیز میں ہے؟ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں ہے۔ تو ہدایت رجال اللہ سے ملتی ہے اور ہدایت کتاب اللہ سے ملتی ہے۔ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب یہ دونوں ہوتے ہیں تو پھر کامیابی ہوتی ہے۔ ان میں سے اگر کوئی ایک ہو تو پھر گمراہی ہے۔ مثلاً خوارج نے صرف کتاب اللہ کو لیا اور رجال اللہ کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہوگئے اور باطنین نے صرف رجال اللہ کو اپنے زعم میں لے لیا تو کتاب اللہ کو چھوڑ کر رجال اللہ کو نہیں پہچان سکے، لہٰذا وہ بھی گمراہ ہوگئے۔ اس لئے ہم دونوں کو لیں۔ اور آج کل بھی یہ فتنے چل رہے ہیں یعنی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں ہے، بس قرآن کافی ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کتاب اللہ کیسے آپ جان سکتے ہیں! یہ کیسے ممکن ہے! لیکن وہ اس قسم کی بات کرتے ہیں اور ان کے ماننے والے بھی موجود ہیں اور بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ جاوید غامدی کون ہے؟ اور یہ کیا کرتا ہے؟ یہی تو کرتا ہے، ان کے نزدیک زنا جائز ہے، ان کے نزدیک موسیقی جائز ہے، ان کے نزدیک سود جائز ہے اور ان کے نزدیک شراب جائز ہے۔ اب مجھے بتاؤ! منع کیا چیز ہے؟ دراصل وہ نفس کی ہر خواہش کو ٹھیک قرار دینے کے لئے بیٹھا ہوا ہے اور ہر صحیح چیز کے اندر نقص نکالنے کے لئے بیٹھا ہوا ہے، یہی کام وہ کر رہا ہے۔ اب ہم لوگ کیا کریں؟ تو ہم لوگ صحیح لوگوں کو پہچانیں۔ اب ذرا میں ایک بات کرتا ہوں اور پھر میں ختم کرتا ہوں کہ میں زیادہ بات کرنا نہیں چاہتا۔ کسی بھی چیز کو دیکھنے کے لئے دو روشنیوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک خارجی روشنی اور دوسری داخلی روشنی۔ خارجی روشنی جیسے سورج ہے، ٹیوب لائٹس ہیں یا جو بھی ذرائع ہیں یہ خارجی روشنی ہے۔ اور داخلی روشنی بینائی ہے، اگر بینائی

نہ ہو اور ساری دنیا نور سے بھر جائے تو کیا پتا چلے گا؟ اور اگر نور نہ ہو تو بیشک 6x6 نظر ہو تو کیا دیکھے گا؟ نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا یہ دونوں چیزوں کا ہونا بیک وقت ضروری ہے۔ اسی طریقے سے قرآن اور سنت یہ ہدایت ہے اور رجال اللہ کے ساتھ بیٹھنا یہ بھی ہدایت ہے۔ لیکن اگر بینائی یعنی اندرونی روشنی نہ ہو تو اس کو حاصل نہیں کرسکتے۔ اور وہ کیا ہے؟ وہ دل کا پاک ہوجانا ہے کیونکہ جب تک دل پاک نہیں ہوگا اس وقت تک ان سے ہدایت حاصل نہیں کرسکتے۔ لہٰذا دونوں محنتیں ضروری ہیں یعنی دل کو بھی پاک کرنا چاہیئے کہ حجابات دور ہوجائیں۔ اور پتا نہیں حجابات کو لوگ کیا سمجھتے ہیں، اس کے بارے میں بہت عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں جبکہ حجابات یہی ہے کہ آپ اور حق کے درمیان جو چیز حائل ہوجائے وہ حجاب ہے، چاہے وہ خود آپ ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حجابات ہیں۔ اور ہمارے نفس کے اندر جو حجابات ہیں، وہ ہمیں دیکھنے نہیں دیتے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قرآن بھی پڑھتے ہیں، حدیث بھی پڑھتے ہیں لیکن نفس کی کسی بات کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر پا رہے ہوتے کیونکہ وہ حجاب بن جاتا ہے۔ اور اسی حجاب کو تو دور کرنا ہے۔ نفس کی اصلاح کیا چیز ہے؟ نفس کی اصلاح یہی ہے کہ انسان کا نفس نفسِ مطمئنہ ہوجائے اور وہ ماننے کے لئے تیار ہوجائے۔ اس کے لئے جو طریقے ہمارے بزرگ بیان فرماتے ہیں ان طریقوں پر عمل کرکے ہم نفس کو نفسِ مطمئنہ بنالیں اور قلب کو قلبِ سلیم بنالیں۔ میں آپ کو چھوٹی سی بات عرض کرتا ہوں، حدیث شریف میں ہے:

"سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ"۔ (مسلم: 6847)

یہ بڑے اونچے الفاظ ہیں۔ اور ہم لوگ اپنی زبان پر ہر وقت مختلف وجوہات سے یہ لیتے ہیں، لیکن کیا اس کا ہمارے دل پر اثر ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہمارا نفس اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر ہمارا نفس تیار ہوجائے تو یہی سبحان اللہ ہی ہمیں کہاں پہنچا دے گا، یہی الحمد للہ ہمیں کہاں پہنچا دے گا اور یہی اللہ اکبر ہمیں کہاں پہنچا دے گا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم ہمیں کہاں پہنچائے دے گی۔ یعنی یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ قرآن کی ایک ایک آیت میں پورا پورا ایک نظام ہے، لیکن اس نظام کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تیاری کرنی پڑتی ہے، جو لوگ یہ تیاری

کر لیں تو قرآن میں تو یہ چیزیں موجود ہیں۔ مثلاً ایک کمرہ ہے، اس کو تالا ہے اور اس کمرے کے اندر سب کچھ پڑا ہوا ہے، لیکن آپ کے پاس چابی نہیں ہے، تو آپ اس کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اور جب چابی آگئی اور کمرہ کھول لیا تو پھر گویا کوئی بھی چیز حاصل کرنا چاہیں تو کر لیں گے۔ اسی طرح اپنے دل کو کھولنا پڑے گا۔ ہم جو لطائف کا ذکر دیتے ہیں وہ اسی لئے ہے۔ ہمارے شیخ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک نقشبندی صاحب تشریف لائے، انہوں نے کہا کہ میرے شیخ جہاد میں ہیں (کیونکہ ان دنوں افغانستان کا جہاد چل رہا تھا) اس وجہ سے ان سے میری ملاقات نہیں ہو رہی، تو میں آپ سے رجوع کر رہا ہوں تاکہ کم از کم میرا کام تو ہوتا رہے۔ حضرت نے فرمایا: ایک ایک لطیفے کے اوپر کم از کم ایک ایک چلہ لگانا چاہئے اور پھر فرمایا: بھائی! دل کے سارے پٹ کھولنے ہیں۔ بس یہی بات ہے۔ لہٰذا ہم اپنے دل کے سارے پٹ کو بھی کھول دیں اور اپنے نفس کے تمام رزائل کو بھی دبا لیں تو بس پھر ہمارے ارد گرد ساری چیزیں پڑی ہوئی ہیں اور اللہ پاک ہم سے دور نہیں ہیں بلکہ اللہ پاک تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم لوگ محسوس نہیں کر رہے، تو اس وقت محسوسات میں آجائیں گے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ قرآن اور سنت کا جو علم ہے وہ کشفی ہو جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے شاید ان لوگوں کو کشف ہو جائے۔ نہیں بھائی! وہ چیز کشف نہیں ہے بلکہ وہ حجابات دور ہو جائیں اور محسوسات میں آجائیں، یہ مطلب ہے اس کا۔ اور جب محسوسات میں آجائیں تو بس ٹھیک ہے، پھر آپ کام بھی کر لیں گے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ تیاری کر لو، اپنے قلب کو قلبِ سلیم بنا دو، عقل کو عقلِ سلیم بنا لو، نفس کو نفسِ مطمئنہ بنا لو تو پھر ساری چیزیں تیرے لئے تیار ہیں۔ لہٰذا جب یہ تین چیزیں ہو گئیں تو پھر آپ کے لئے صحابہ کا طریقہ بالکل سامنے ہے۔ صحابہ کے طریقے کا نام بزرگوں نے جو دیا تھا وہ اس لئے کہ ایک سیر الی اللہ ہے، ایک سیر فی اللہ ہے، سیر الی اللہ ان تین چیزوں کی تیاری کو کہتے ہیں اور سیر فی اللہ صحابہ کے طریقے کو کہتے ہیں۔ صحابہ کا طریقہ لامتناہی ہے، اب جو جتنا آگے چلا جائے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس طریقے پر چلے، عمر رضی اللہ عنہ بھی اس طریقے پر چلے، عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس طریقے پر چلے اور ہر ایک کا

اپنا اپنا مقام ہے، لیکن طریقہ تو وہی ہے، راستہ تو وہی ہے اور اگر آپ یہ تینوں چیزیں دیکھیں تو آپ کا بھی وہی راستہ ہوجائے گا۔ اسی کو طریقۂ صحابہ کہتے ہیں، اسی کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کسی بھی شیخ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کریں اور ہم اپنی چیزوں کو درست کرلیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے "الطاف القدس" اس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ تین لطائف ہیں، نفس، قلب اور عقل، ان تینوں کے اوپر کام کرنا ہے، عقل کو بہترین بنانا ہے، نفس کو نفسِ مطمئنہ بنانا ہے اور قلب کو قلبِ سلیم بنانا ہے۔ جب یہ تینوں درست ہوجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ دو لطائف اپنی طرف سے عطا فرماتے ہیں، ایک لطیفۂ روح ہے اور دوسرا لطیفۂ سر۔ لطیفۂ روح آپ کے قلب کو ملأ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے گا اور لطیفۂ سر آپ کی عقل کو ملأ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے گا۔ لہٰذا آپ کا فیصلہ ملأ اعلیٰ کی طرف سے ہوگا۔ جیسے فرمایا کہ اللہ والوں کی فراست سے ڈرو، وہ خدا کے نور سے دیکھتے ہیں۔ وہ یہی چیز ہے۔ اسی طریقے سے جو واردات قلب پر آتے ہیں، وہ کہاں سے آتے ہیں؟ وہ ملأ اعلیٰ سے آتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد راستے کھل جاتے ہیں، اور پھر شیخ آپ کی تربیت کرتا ہے۔ یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آرہا ہے اور عین وقت پر تربیت ہوتی ہے اور عین وقت پر اصلاح ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاح ہوئی تھی، حضرت صحابی تھے، اور کیا کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بوریاں خود اٹھا رہے ہیں، لوگوں نے پوچھا حضرت! خادم موجود ہیں۔ فرمایا: چونکہ میں امیر المومنین کی صورت میں یہود سے ملاقات کر چکا ہوں، اب اس چیز کے اثر کو دور کرنے کے لئے میں یہ کر رہا ہوں۔ تو یہ کیا چیز ہے؟ یہ ملأ اعلیٰ والی بات ہے۔ یعنی تربیت کا سامان ہر وقت ہو رہا ہے۔ ایسے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوتا ہے، ایسے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا ہے، ایسے ہی حضرت عمر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا تھا یعنی عین وقت پر پتا چلتا تھا کہ کیا نہیں ہوا اور کیا ہونا چاہئے اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔ تو یہ سارا نظام ملأ اعلیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ عام بندوں کے ساتھ بھی پھر ایسا ہوتا ہے، لیکن اگر وہ تین چیزوں کو درست کر چکے ہوں تو۔ اس لئے محنت تو یہی کرنی ہے۔ اب ایک اہم بات آگئی کہ جو محنت کرنی ہے اور جس کے لئے شیخ کو پکڑنا ہے، وہ شیخ

کیسا ہونا چاہئے؟ کیونکہ آج کل تو ہر چیز میں فتنے ہیں اور ہر چیز میں سوداگری اور پتا نہیں کیا کیا چیزیں ہیں، اللہ ہمیں بچائے ہر قسم کے لوگ ہیں۔ ان میں سے صحیح لوگوں کو چننا بہت اہم ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اس کا عقیدہ کیسا ہے؟ کیونکہ عقیدہ اگر خراب ہے تو تمہارا عقیدہ بھی خراب کرے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرض عین علم اس کے پاس ہے یا نہیں ہے؟ یعنی مدرسے کا فارغ التحصیل ہونا ضروری نہیں ہے بس فرض عین علم پاس ہونا ضروری ہے، چنانچہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کسی مدرسے سے فارغ نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کے پاس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو علم کے پہاڑ تھے وہ گئے تھے۔ لیکن وہ اصطلاحی عالم نہیں تھے۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اصطلاحی عالم نہیں تھے لیکن وہ مجدد ہیں۔ اب آپ اندازہ کر لیں۔ لہٰذا یہ چیزیں ہوتی ہیں اور من جانب اللہ ہوتی ہیں۔ حضرت نے یہ بات فرما دی ہے۔ مقصد میرا یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ کم از کم فرض عین درجے کا علم اس کے پاس ہو۔ کیونکہ حدیث پاک ہے:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" (سننِ ابن ماجہ: 224)

ترجمہ: "علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

لہٰذا شیخ بھی چونکہ مسلمان ہے، اور اس کے اوپر بھی یہ فرض ہے اس لئے اس کے پاس بھی اتنا علم ہونا چاہئے۔ تیسری بات اس پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ عمل اگر نہیں ہے تو علم کس چیز کے لئے ہے؟ علم تو ہوتا ہی عمل کے لئے ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ان کی صحبت کا سلسلہ آپ ﷺ کی صحبت سے ملا ہو۔ جیسے ابھی مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ سلسلہ وہاں سے آرہا ہے۔ کیونکہ صحبت کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی، جیسے کہتے ہیں کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے یعنی دل دل کو متاثر کرتا ہے تو وہ یہی چیز ہے۔ لہٰذا ان کی صحبت کا سلسلہ آپ ﷺ تک پہنچتا ہو۔ یہ چار باتیں ہو گئیں۔ پانچویں بات یہ ہے کہ اس وقت جو جو صاحب نسبت حضرات ہیں ان میں سے کسی نے اس کو اجازت دی ہو، کیونکہ یہ اعتماد کا سلسلہ ہے۔ چھٹی بات وقت کے علماء اور مشائخ ان کے بارے میں صحیح رائے رکھتے ہوں کہ یہ صحیح ہے، اور اس کی تائید کرتے ہوں۔ ساتویں بات مروت نہ کرتا ہو بلکہ اصلاح کرتا ہو، کیونکہ آج کل لوگ مروت والے کے پیچھے

چلتے ہیں لیکن مروت والے اصلاح نہیں کرسکتے، البتہ مروت والے آپ کو اس دنیا میں خوش کردیں گے، باقی وہاں پتا نہیں کہ کیا ہوگا، لیکن یہاں خوش کردیں گے۔ اور جو اصلاح کریں گے تو وہ آپ کو خوش نہیں کریں گے۔ جیسے ہمارے پشتو میں مثال ہے کہ دوست تجھے رلائے گا اور دشمن تجھے ہنسائے گا۔ لہٰذا مروت والے کے پاس نہیں جانا۔ اور آخری بات کہ ان کی صحبت میں اللہ یاد آتا ہو، اللہ کی محبت بڑھتی ہو اور دنیا کی محبت کم ہوتی ہو۔ یہ 8 نشانیاں ہیں۔ اگر کسی میں یہ 8 نشانیاں ہوں، اور یہ کئی لوگوں میں ہوں گی ان شاء اللہ کیونکہ اللہ پاک نے نظام بنایا ہوا ہے، اور فرمایا:

﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبہ: 119)

ترجمہ: ”سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو“۔

لہٰذا صادقین کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے کیونکہ اس پر عمل بھی تب ہی کرسکیں گے۔ اب ان کو تلاش آپ نے کرنا ہے اور اس میں کئی آپ کو مل جائیں گے۔ ان میں سے جس کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ مناسبت ہو بس اس کے ساتھ ہوجائیں اور پھر عمر بھر ساتھ رہیں، پھر اس کے چار حق ہیں۔

چار حق مرشد کے ہیں، لیکن کیا
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

یعنی اپنے احوال کی اطلاع کرنا اور جو وہ بتائے اس کی اتباع کرنا اور اس کو اپنے لئے سب سے زیادہ مفید سمجھنا، لیکن افضل نہیں سمجھنا کیونکہ افضل کا تو اللہ کو پتا ہے، ہم نے مفید سمجھنا ہے۔ بلکہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ بیشک آپ کا شیخ مشہور نہ ہو اور دوسرے مشائخ مشہور ہوں لیکن آپ کو ان مشہور مشائخ سے بھی اگر فائدہ ملے گا تو اپنے اس شیخ کی وجہ سے ملے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ مثلاً میں آپ کو ایک بات بتاؤں، پانی آتا ہے ٹینک سے، اور آتا ہے نلوں کے ذریعے سے اور ملتا ہے tap سے، تو آپ نے tap سے لینا ہے کیونکہ آپ ٹینک سے براہ راست تو نہیں لے سکتے، اس لئے آپ

نے tap سے لینا ہے۔ ایسے ہی جو آپ کا شیخ ہے آپ نے اس سے لینا ہے، اگرچہ دیتا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو مجھے وہ بڑے سے بھی دلوا سکتا ہے اور چھوٹے سے بھی دلوا سکتا ہے۔ دوسری مثال: جیسے powerhouse کے پاس اگر آپ کوئی بلب سو واٹ کا لگا لیں تو کتنا جلے گا؟ ہزار واٹ کے برابر جلے گا؟ نہیں بلکہ سو واٹ کے برابر ہی جلے گا اور ادھر بھی اگر آپ لگا لیں تو بھی سو واٹ کا ہی جلے گا۔ لہٰذا اس کو نہ دیکھو کہ کون بڑا شیخ ہے اور کون چھوٹا شیخ ہے، یہ شیطان کا اثر ہے، وہ دل میں خیال ڈالتا ہے۔ بس یہ دیکھو کہ میرے لئے مفید کون سا ہے؟ میری مناسبت کس کے ساتھ ہے؟ مناسبت آپ کو جس کے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کرو، دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں؛

﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ (الفاتحہ: 5)

ترجمہ: ”اے اللہ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“۔
اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات علوم و معارف کے خزانے ہیں۔ حضرت کی بات کے اندر جو وزن اور نور ہے وہ ہماری بات میں نہیں ہے۔ ہمیں حضرت کی باتوں سے نہ صرف فیض بلکہ سند بھی حاصل ہوتی ہے۔ ان کے حوالہ و تائید سے ہم اپنی باتوں کو مستند بنا لیتے ہیں۔ اگرچہ ہم صحیح بات بھی کر رہے ہوں، لیکن جب ہم اپنے حوالے سے وہ بات کرتے ہیں تو اس پہ ہزار طرح کے اشکالات ہو سکتے ہیں، کیونکہ ہماری بات اتنی مستند نہیں ہے۔ لیکن جب حضرت بات کرتے ہیں تو وہ بات کم از کم ہند و پاک کے صوفیا کے اوپر حجت ہوتی ہے۔

آج کے درس کا آغاز ایک بہت اہم بات سے ہو رہا ہے، جو سمجھ آجائے تو اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے وہ داخلِ ذکر ہے:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے وہ داخلِ ذکر ہے۔ ایک شخص زبان سے اللہ کا ذکر نہیں کرتا، لیکن اس کا ہر کام سنت کے مطابق ہے۔ اگر آپ جاننے کی جستجو کریں تو اس کا ہر کام سنت کے مطابق ہونے کا سبب یہی معلوم ہوگا کہ اسے ہر وقت اللہ یاد ہے اور اس کو یہ بھی پتا ہے کہ اللہ پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی سے خوش ہوتے ہیں۔ یہ آدمی جو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کر رہا ہے، اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اور یہی اصل چیز ہے۔ اور جو ہم زبان سے "اَللّٰہُ اَللّٰہ، سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتے ہیں، یہ سب ذکر کی ابتدائی صورتیں ہیں۔ ابتدا میں یہی کرنا ہوتا ہے، جب یہ دل میں اتر جائے اور فکر اس کے مطابق ہو جائے، تو اس کے بعد بے شک زبان اس کے مطابق نہ ہلے،

یہ عمل میں بدل جاتا ہے۔

میں چند دن پہلے اس پر بات کر رہا تھا کہ بعض الفاظ ہمارے ہاں ایسے معمول بہا ہیں کہ تقریباً بچے بچے کی زبان پر ہیں، لیکن ان کی حقیقت بعض دفعہ خواص تک کو بھی حاصل نہیں ہوتی۔ مثلاً ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو سُبۡحَانَ اللّٰہِ کہہ دیتے ہیں، لیکن ان الفاظ کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے تصور سے برتر و بالا ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اور وہ تمام چیزوں کے اثر سے پاک ہے۔ کتنے ہی لوگ سُبۡحَانَ اللّٰہِ کہتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

ہم اَللّٰہُ اَکۡبَر کہتے ہیں۔ اس کے معنی کا عربی دانوں کو پتا ہے، علماء کو بھی پتا ہے، عام لوگوں کو بھی پتا ہے، لیکن کیا اس کا ہمارے اوپر وہ اثر ہے، جو ہونا چاہیئے؟ مثلاً ہم دفتر میں ہیں تو افسر کا اثر ہم پر زیادہ ہے یا اللہ کا اثر زیادہ ہے؟ "اَکۡبَرۡ" کا مطلب ہوتا ہے "اس سے بڑا"۔ "اَللّٰہُ اَکۡبَر" کا مطلب ہے "سب سے بڑا"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بڑائی ہمارے دل میں یوں چھا جائے کہ ہم لوگ اللہ کے سامنے کسی کی بات کو خاطر میں نہ لائیں۔ اللہ جل شانہٗ کی بات کے مقابلہ میں کسی کی بات کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ کیا یہ حقیقت ہمیں حاصل ہے؟

اسی طرح اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ، یہ سارے کلمات اور ان کے معانی ہمیں ازبر ہیں، مگر ہم ان کی حقیقت سے بے خبر ہیں، لیکن جو شخص شریعت پر عمل کر رہا ہے، اس کے مطابق زندگی گزار رہا ہے، ہر چیز شریعت کے مطابق کر رہا ہے، وہ ان کی حقیقت سے واقف ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم مکتوب نمبر 30 میں اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

اے فرزند! فرصت، صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ ہر وہ عمل جو روشن شریعت کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا تمام حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی چاہیئے تاکہ سب کام ذکر (کے حکم میں)

ہو جائیں۔ کیونکہ ذکر سے مراد غفلت کا دور ہونا ہے اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مد نظر رکھا جائے تو ان اوامر و نواہی کا حکم دینے والے (حق تعالیٰ) کی (یاد کی) غفلت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور اس تعالیٰ کے ذکر پر دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسراہم کی "یادداشت" سے ایک الگ چیز ہے کیونکہ وہ یادداشت صرف باطن تک منحصر ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی جاری ہے اگرچہ دشوار ہے۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ بِمُتَابَعَةِ صَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔

تشریح:

یہاں پر مجھے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی۔ "الطاف القدس" میں لطیفۂ جوارح کا کافی تفصیلی ذکر آیا تھا۔ "لطیفۂ جوارح" یعنی انسان کا ہر ہر عضو شریعت کے مطابق استعمال ہونے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر یہ چیز بدرجۂ اتم موجود تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ وہ دل میں بھی اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے اور ان کا ظاہر بھی اللہ تعالیٰ کا تابع ہوتا تھا، ظاہر و باطن دونوں طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا کرتے تھے۔

ظاہر کو شریعت کے مطابق بنانا اس طرح کہ شریعت کی اتباع تمام اعمال کے اندر سرایت کر جائے، یہی حقیقی ذکر ہے اور یہ بہ نسبت باطن کو شریعت کے مطابق بنانے کے زیادہ مشکل ہے۔ اگر نظر غلط استعمال ہو رہی ہے، کان غلط استعمال ہو رہا ہے، دماغ غلط استعمال ہو رہا ہے، ہاتھ پاؤں غلط استعمال ہو رہے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ اسے اللہ یاد نہیں، اسے حقیقی ذکر کی کیفیت حاصل نہیں۔ ہاں جب یہ ساری چیزیں شریعت کے مطابق استعمال ہونے لگیں، تب یہ سمجھا جائے گا کہ انسان غفلت سے نکل آیا ہے، اور غفلت سے نکلنا ہی ذکر اللہ ہے۔

یہ ہمارے لئے حضرت کی بہت جامع نصیحت ہے کہ صرف زبانی طور پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، کہنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ حقیقی ذکر، اللہ کی یاد کو اپنے ہر عمل میں بسا لینا بھی ضروری ہے۔ ہاں ابتدا زبانی ذکر سے ہی ہوتی ہے۔ پہلی سیڑھی زبانی ذکر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پہلی سیڑھی پہ قدم رکھے بغیر آخری سیڑھی تک

پہنچ جائیں۔ ابتداءً پہلی سیڑھی پہ قدم رکھنا پڑے گا، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی اور اخیر میں آپ سب سے اوپر والی سیڑھی پہ پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح ذکر حقیقی کی منزل تک پہنچنے کے لئے پہلی سیڑھی زبانی ذکر ہے۔ ابتداءً اسے ہی اختیار کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے ایک کزن کے بیٹے کا واقعہ ہے کہ وہ بچپن میں اپنی والدہ سے کہتا تھا کہ امی میں سکول نہیں جاؤں گا میں بس کالج جاؤں گا، تو اس کی والدہ ہنس پڑتی کہ بچہ ہے، تبھی اس طرح کہہ رہا ہے۔ ظاہر ہے سکول پڑھے بغیر انسان کالج میں نہیں جا سکتا۔ لیکن بچہ بچہ ہوتا ہے، بچے کی سمجھ اتنی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کہتا ہے کہ میں باطن کو ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر کو ٹھیک نہیں کرنا چاہتا، اس کی مثال اسی بچہ کی طرح ہے جو سکول جائے بغیر کالج جانا چاہتا ہے۔ صحیح ترتیب یہ ہے کہ ذکر اللہ کی ابتدا زبان سے ہوگی، پھر دل میں جائے گا، پھر پورے جسم میں جائے گا، پھر استحضار میں تبدیل ہوگا اور اس کے بعد اس سے اعمال وجود میں آئیں گے۔یہی ترتیب ہے، اس کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔

صحبتِ شیخ کی ترغیب:

نقشبندی سلسلہ میں اس پر بہت زیادہ زور ہے۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقے میں نسبتِ انعکاسی سے ابتدا ہوتی ہے اور نسبت انعکاسی صحبتِ شیخ پر ہی منحصر ہوتی ہے۔ دفتر اوّل، مکتوب 119 میں صحبتِ شیخ کی ترغیب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

یہ راستہ دیوانگی چاہتا ہے (جیسا کہ) حدیث شریف میں وارد ہے: لَنْ يُّؤْمِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُقَالَ اَنَّهٗ مَجْنُوْنٌ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ اس کو مجنون (دیوانہ) نہ کہنے لگیں)۔

تشریح:

یعنی لوگ ان پر انگلی اٹھائیں گے کہ یہ کیا کر رہا ہے لیکن یہ لوگوں کی پَروا نہیں کرے گا۔

متن:

اور جب دیوانہ پن آگیا تو بیوی بچوں کی تدبیر سے فارغ ہوگیا اور کذا و کذا (یعنی ایسا ہوگا ویسا ہوگا) کے اندیشہ سے جمعیت میسر ہوگئی (یعنی دل کو اطمینان حاصل ہوگیا)۔ یہ دیوانگی آپ کی طبیعت میں موجود ہے لیکن بیکار عوارض کے باعث آپ نے اس کو خس و خاشاک میں چھپا دیا ہے۔ کیا کیا جائے کہ یہ ظاہری دُوری کی وجہ سے آپ میں بہت کچھ بے مناسبتی مفہوم ہوتی ہے، اس کا جلد تدارک فرمائیں اور اپنی کم ہمتی کو عین ہمت (استطاعت) جان کر اس جسدی (ظاہری) دوری کو رفع کریں۔ اس گروہ (صوفیاء) کی جمعیت (دلی اطمینان) مخلوق کے دلی اطمینان سے بہت بلند ہے، مخلوق کی دل جمعی کے اسباب ان (صوفیاء) کے تفرقے اور اختلافات کا باعث ہیں۔ مخلوق کے اختلافات کے اسباب (فقر و نامرادی وغیرہ) میں ہاتھ ڈالنا چاہئے (یعنی ان میں غور کرنا چاہئے تاکہ دل کا اطمینان حاصل ہو، اور اگر بالفرض اس گروہ کو مخلوق کی جمعیت کے اسباب عنایت ہو جائیں تو اس جمعیت سے بھی ڈرنا چاہئے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں التجا کرنی چاہئے تاکہ یہ جمعیت بلائے جان نہ بن جائے۔ اور فلاں فلاں (صاحب تکمیل) حضرات کے حال پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ تمام مراتب فرق مراتب کے اعتبار سے تکمیل ہونے سے پہلے سب نقص کے مراتب ہیں۔

تشریح:

یعنی اس میں انسان کو تن، من، دھن سے متوجہ ہونا پڑے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقشبندی سلسلہ میں ابتدا جذب سے ہوتی ہے اور جذب میں انسان کو اللہ جل شانہٗ کی طرف اتنی توجہ حاصل ہونی چاہئے کہ اللہ کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے غفلت ہو جائے۔

اب میں اس اجمال کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔ غور سے سنیں:

ہم میں سے ہر شخص دو چیزوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے: (1) نفس امارہ کے ساتھ۔ (2) اپنے شیطان کے ساتھ۔ کوئی انسان اس حالت سے خالی نہیں ہے۔ حتّٰی کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: ”یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان تھا؟“ فرمایا: ”ہاں، مگر میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔“ معلوم ہوا کہ شیطان اور نفس دونوں ساتھ ہوتے

ہیں۔ نفس ابتدا میں نفسِ امّارہ ہوتا ہے، خدا سے باغی ہوتا ہے، اپنی مرضی کرتا ہے اور پابندی بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔

ایک آدمی ادھر بیٹھا ہوگا، اس کو کوئی پروا نہیں ہوگی، لیکن اگر اسے کہہ دیں کہ تو نے یہاں سے اٹھنا نہیں ہے تو اس کی طبیعت بوجھل ہو جائے گی اور وہاں بیٹھنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ حالانکہ اگر آپ نے اس کو یہ نہ کہا ہوتا کہ ادھر سے اٹھنا نہیں ہے تو اس کو کوئی پروا نہ تھی، وہ گھنٹوں وہیں بیٹھا رہتا۔ انسان کی طبیعت پابندی سے گھبراتی ہے، یہ انسان کا خاصہ ہے، اور شریعت سراسر پابندی ہے۔ اس وجہ سے نفس کے لئے شریعت پر آنا بڑا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آتا ہے: ”اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ“۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 7606) ترجمہ: ”دنیا کافر کے لئے جنت ہے اور مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ اسی معنیٰ میں کہا گیا کہ مومن ہر وقت پابند ہے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا اسے یہ پابندی برداشت کرنی پڑے گی۔ اِس ہر وقت کی پابندی پہ نفس چیخ اٹھتا ہے، بغاوت کرتا ہے، نہیں مانتا۔ نفس کی کسی بھی چیز پر پابندی لگا دی جائے تو یہ اسے بغاوت پہ اکسانا شروع کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم گھنٹوں نیچے دیکھتے رہیں تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر پابندی لگا دی جائے کہ اوپر نہیں دیکھنا، بس پریشانی شروع ہو جائے گی۔ شریعت میں آنکھ، کان، زبان، دماغ، ہاتھ پاؤں، غرض تمام چیزوں پہ کوئی نہ کوئی پابندی ہے۔ نفس اس پابندی کے خلاف ہر وقت بغاوت کرتا ہے، نہیں مانتا۔ اس ہر وقت کی بغاوت کو آپ کیسے دبائیں گے؟ کیونکہ مطلوب تو یہی ہے کہ آپ ہر وقت اس کو کنٹرول اور قابو میں رکھیں۔ حدیث میں لفظ ”قابو“ آیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو قابو کیا، وہ عقل مند ہے۔ یہ قابو کیسے ہوگا؟ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قابو کرنے کے لئے طریقہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کے لحاظ سے دیوانگی کی ضرورت ہوگی۔ یہ نفس دیوانگی سے کم کسی بات پہ قابو نہیں ہو سکتا۔ گویا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی توجہ حاصل ہو جائے جو باقی ساری توجہات کو کاٹ سکے۔ انسان میں نفس کے مقابلے کی قوت پیدا ہونی چاہئے۔ اولاً چاہے وقتی طور پر آجائے، بعد میں مستقل طور پر بھی آجاتی ہے۔ وقتی طور پر اس قوت کا آنا، یہ جذب ہے۔

اسی بات کو حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا کہ "یہ راستہ دیوانگی چاہتا ہے"۔ وہ دیوانگی اس معنٰی میں ہے کہ ابتدا میں جذب کی ضرورت ہے، جب یہ جذب شروع ہو جائے تو اس جذب سے کام لینا چاہئے۔ اپنی تمام چیزوں کو درست کر لینا چاہئے، آنکھ کا دیکھنا ٹھیک کر لو، کان کا سننا درست کر لو، زبان کا بولنا صحیح کر لو۔ ہاتھ پاؤں کا استعمال بہتر کر لو، نفس کو صبر کرنا سکھا دو، قناعت کرنا سکھا دو، ریاضت کرنا سکھا دو، تقویٰ پہ لے آؤ۔ الغرض اس جذب کے ذریعے سب اعضاء و جوارح کو ظاہری و باطنی طور پر شریعت کے مطابق ڈھال لو، ایسا کر لو گے تو سلوک طے ہو جائے گا۔

سلوک میں باقاعدہ ایک ترتیب ہوتی ہے۔ جذب میں ترتیب نہیں ہوتی۔ سلوک درجہ بدرجہ ہوتا ہے اور جذب مجموعی طور پر (as a whole) ہے۔ جذب محبت کی طرح ہے، محبت میں بھی کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جذب میں calculation نہیں ہے، جب calculation آئی تو جذب نہ رہا۔

میں آپ کو ایک دیوانگی سے معمور غزل سناتا ہوں۔ بعض چیزیں سمجھانے کے لئے نثر میں بڑی تقریریں کرنی پڑتی ہیں، مگر وہی چیزیں اشعار میں ذرا جلدی سمجھ آجاتی ہیں۔

درِ دولت پہ اس کے جو بھی آیا تشنہ لب نکلا
میں مستی میں یہاں پر کب سے آیا اور کب نکلا

تشریح:

(دنیا کی چیزیں محدود ہیں، محدود چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں، لیکن انسان کی حرص مزید چاہتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ هَلْ مِنْ مَّزِيْد (مجھے اور زیادہ چاہئے) اور اللہ تعالٰی کی ذات لامحدود ہے، اللہ پاک کی صفات لامحدود ہیں، لٰہذا اللہ پاک کے ساتھ محبت بھی لامحدود ہوگی۔ اس لئے اس کے درِ دولت پہ آنے والوں کی تشنہ لبی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

عُمق کیا جانے بحرِ عشق کہ سادہ ہیں ہم کتنے
نتیجہ اِس کی پیمائش کا بھی سوئے ادب نکلا

یہاں چپ باش، کچھ پوچھو نہیں یہ بحرِ حیرت ہے
یہاں پر سر جھکانا ہی تو ملنے کا سبب نکلا

تشریح:

(اس راہ میں پوچھنا نہیں، بس ماننا ہی ماننا ہے، خاموشی ہی خاموشی ہے، سر جھکانا ہی سر جھکانا ہے۔ اگر آپ نے کہہ دیا کہ ایسا کیوں ہے تو بات ختم ہوگئی۔ اس میں مکمل طور سرِ تسلیمِ خم کرنا ہے اور یہ جذب سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ذرا چشمِ تصور سے جمال اس کا تو دیکھو نا
کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ دم نکلا تو اب نکلا
میرے تارِ نفس کو نَفُس کے تاروں نے الجھایا

تشریح:

یہ وہی بات ہے جو ابھی میں تھوڑی دیر پہلے عرض کر رہا تھا کہ ہمارے نفس کی لاتعداد خواہشات ہیں، اس نے ہماری روح کو باندھ لیا ہے، اصل کام کے لئے نہیں چھوڑ رہا۔ ہم اس سے نکلنا چاہتے ہیں، لیکن نکل نہیں پا رہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ مثال دی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جیسے ایک بچے کو آپ چلنا سکھاتے ہیں۔ (ہم پشتو میں اس کو کہتے ہیں "پا پلی پا پلی" یعنی آجاؤ آجاؤ۔) اس بچے کو چلنے کے لئے کہتے ہیں تو وہ محنت کرتا ہے، چلنے کی کوشش کرتا ہے، دو قدم چل کے گر جاتا ہے۔ آپ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتے ہیں: اٹھو اٹھو شاباش! وہ اٹھتا ہے، چلنے کی کوشش کرتا ہے، دو قدم چل کے پھر گر پڑتا ہے۔ آپ پھر کہتے ہیں: اٹھو اٹھو شاباش شاباش۔ وہ پھر چل پڑتا ہے اور پھر گر جاتا ہے اور رونا شروع کر دیتا ہے کہ میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر آپ

کے دل میں محبت امڈ آتی ہے اور آپ اس کو پیار سے اٹھا لیتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں اٹھو اٹھو شاباش۔ تو ہم لوگ کوشش کرتے ہیں گر جاتے ہیں اٹھ جاتے ہیں۔ پھر کوشش کرتے ہیں، پھر گر جاتے ہیں۔ اس طرح بار بار گرتے ہوئے جب ہم بالکل ٹوٹ جاتے ہیں تو اللہ کے سامنے رونا شروع کر دیتے ہیں کہ یا اللہ! مجھ سے نفس کا مقابلہ نہیں ہو رہا۔ اس وقت اللہ پاک جتنا چاہے اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اِس کو جذب وہبی کہتے ہیں اور یہ جذبِ وہبی تا عمر، تا دمِ آخر چلتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ سلوک کبھی بھی خود مکمل طے نہیں کیا جاسکتا، سلوک اللہ کی طرف سے طے کروایا جاتا ہے، لیکن انسان کی طرف سے "وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا" (العنکبوت: 69) کے بموجب کوشش مطلوب ہے۔ کوشش کے بعد اللہ پاک راستہ دیتے ہیں اور اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اس میں پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جذب وہبی کے ذریعہ سے سلوک مکمل ہوتا ہے، لیکن پہلے ذرا اللہ پاک دیکھتے ہیں کہ کتنی کوشش کرتا ہے۔ مشکل میں ہمت ہارتا ہے یا میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مشکل میں انسان کا ہمت ہارنا علیحدہ بات ہے۔ مشکل میں دل برداشتہ ہو جائے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، یہ اور بات ہے۔ دل برداشتہ ہونا نفس کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں اللہ پاک انسان کو محبت سے کھینچتا ہے، انسان اللہ کی ماننے لگتا ہے۔ اور دل برداشتہ ہونے میں انسان نفس کی مانتا ہے۔

سلوک میں نفس ہی کے خلاف لڑنا ہے۔ کورس میں کوئی کمی نہ ہو۔ اللہ کو ہماری مشکلات بھی معلوم ہیں۔ کورس یہی ہوگا لیکن کچھ نمبر آپ خود لیں گے، کچھ اضافی نمبر ملیں گے، آپ کا کام یہ ہے کہ آپ کوشش میں کمی نہ کریں اور اپنے آپ کو مستحق بھی نہ سمجھیں۔ یہ ہمارا طریقہ ہے۔

یہ جو ابھی میں نے بتایا یہ چشتیہ سلوک ہے اور پہلے جو بتایا تھا وہ نقشبندی سلوک تھا۔ الحمد للہ ان دونوں کو ہمارے سلسلہ میں یکجا کیا گیا ہے۔ نقشبندی سے ابتدا ہے، چشتی پہ انتہا ہے۔ اللہ پاک نے ایسے ہی انتظام کیا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے نقشبندی سلوک طے کرایا پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

ہاتھ میاں جی نور محمد جھنجھانوی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دلوایا۔ یہ سب منجانب اللہ تھا۔ اب ہم اسی طریقہ سے چل رہے ہیں اور یہ طریقہ ما شاء اللہ انتہائی متوازن طریقہ ہے۔

نقشبندی حضرات نے سلوک کو بالکل بھلا دیا تھا۔ سلوک کی بات تک نہیں کرتے تھے۔ اب آہستہ آہستہ بات شروع ہوئی ہے ورنہ پہلے تو اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے کہ سلوک بھی کوئی چیز ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا، اور اب بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک طریقہ جذب کا ہے اور ایک طریقہ سلوک کا ہے (یعنی دونوں کو الگ الگ مستقل طریقے سمجھتے ہیں) خدا کے بندو! یہ کیا بات ہوئی! سلوک اصل ہے، جذب اس کے لئے ذریعہ ہے۔ سلوک تو آپ نے ہر صورت طے کرنا ہے۔ آپ سے سلوک کا مطالبہ ہے۔ اسی کے لئے آپ ساری محنتیں کرتے ہیں۔

اس کو یوں سمجھیں جیسے آپ نے کسی لوہے کی چیز کو کسی خاص شکل میں ڈھالنا ہے۔ اس کے لئے آپ کو پہلے لوہا گرم کرنا ہوگا۔ اصل مطلوب لوہے کو اس خاص شکل میں ڈھالنا ہے، اسی کے لئے لوہے کو گرم کر رہے ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ گرم کرنا ہی مقصود ہے، تو یہ بات سراسر غلط ہوگی۔ لوہے کو گرم کرنا مقصود نہیں، بلکہ گرم کرنا صرف ایک ذریعہ ہے، جسے استعمال کر کے آپ لوہے کو کوئی خاص شکل دے رہے ہیں۔

ابھی پرسوں کی بات ہے ایک نقشبندی صاحب نے مجھ سے کہا کہ مجھے آپ کی بات پہ اشکال ہے۔ میں نے کہا: کیا اشکال ہے؟ کہتے ہیں: حدیث شریف میں دل کی بات ہے اور آپ نفس کی بات کرتے ہیں۔

یہ بات حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیان سے چلی، آپ پہلے وہ بیان سنیں۔

آج کا سبق۔ "قلب کا بہترین مصلح ایمان ہے"۔

"شریعت نے دل کی اصلاح کے لئے ایمان رکھا ہے۔ اس لحاظ سے ایمان کا محل بھی انسانی دل ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھی دل کے اندر آتی ہے۔ یہی محبت آدمی سے عمل کراتی ہے۔ دل کے اندر جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ اس جذبہ کے مطابق انسان چلتا ہے۔ اولاً ایمان انسانی دل پر وارد ہوتا ہے، وہاں سے ترقی کر کے دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے۔ اس کی تاثیر سارے بدن تک پہنچتی ہے۔ تو پھر ہاتھ بھی

مومن بن جاتا ہے کان بھی مومن بن جاتا ہے اور سب اعضا میں ایمان داری پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر دل میں بے ایمانی گھسی ہو تو ہاتھ پیر بھی بے ایمان ہوں گے اور وہ بے ایمانی کی باتیں سوچے گا۔ اس لئے کہ دل کی نیت خراب ہے۔ چنانچہ دل کو اصل قرار دے کر انبیاء علیہم السلام بھی اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس کے اندر نور چمک پیدا کرے تاکہ اس کے اندر عالمِ غیب کی چیزیں روشن ہو جائیں اور یہ اس وقت ہو گا جب کہ دل پر ایمان وارد ہو۔ دل چونکہ پاک ظرف ہے اس لئے اس میں پاک چیزیں ہی آتی ہیں یعنی ایمان داخل ہوتا ہے، پھر عمل بھی ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوشی ہے تو چہرے پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں گے۔ خوشی درحقیقت قلب کی صفت ہے، مگر چہرے سے نظر آتی ہے۔ دل میں اگر غم بھرا ہوا ہے تو چہرے سے غم معلوم ہوتا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ آج تو بڑے غمگیں نظر آتے ہو۔ حالانکہ غم چھپی ہوئی چیز ہے وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں ہے لیکن چونکہ دل کا اثر چہرے پر پڑتا ہے تو ہر جاننے والا جان لیتا ہے کہ یہ غم زدہ ہے اور واقعی وہ غم زدہ ہوتا ہے۔ تو غمی، خوشی، محبت و عداوت اور کرنا نہ کرنا یہ چیزیں انسان کے دل سے متعلق ہیں۔ اگر دل درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں، اگر دل خراب ہے تو اس کی وجہ سے یہ سب چیزیں خراب ہیں اور اس کی وجہ سے ہاتھ پیر پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر جو دل پر وارد ہوتا ہے وہ ترقی کر کے اعضاء و جوارح پر طاری ہوتا ہے، اچھا ہو یا برا۔"

ماخوذ از"آج کا سبق" صفحہ نمبر، 310 مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

اس مضمون اور اس سے ثابت شدہ بات سے انکار نہیں کیونکہ یہ اصل میں اس حدیث شریف کی شرح ہے کہ "انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو ساری چیزیں ٹھیک ہیں، اگر وہ خراب ہو جائے تو ساری چیزیں خراب ہو جائیں۔" اب اگر مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن میں ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكّٰىهَا ۔ وَقَدْ خَابَ مَن دَسّٰىهَا﴾ (الشمس 9-10) کی تفسیر کو دیکھا جائے تو اس سے بات صحیح طور پر واضح ہوتی ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے میں نے کہا:

"جزاک اللہ! یقیناً ایسا ہی ہے کہ دل جسم کا بادشاہ ہے، لیکن بادشاہ کی بادشاہت

تب چلتی ہے، جب رعایا اس کے حکم مانے۔ رعایا جب تک باغی ہو تو بادشاہ کی اولین کوشش یہی ہوگی کہ اس کی رعایا فرماں بردار بن جائے۔ پس نفس کی اصلاح کے بغیر دل کی سلطنت قائم نہیں ہو سکتی، اور دل کی چاہت کے بغیر نفس اصلاح کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لئے نقشبندی سلسلہ میں جذب سے ابتدا ہوتی ہے، لیکن اس پر کام مکمل نہیں ہوتا، بلکہ نفس کی اصلاح کے لئے سلوک طے کرنا لازم ہوتا ہے، جو قرآن پاک کے ان الفاظ میں وارد ہوا ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ اور اگر اس کی تکمیل سے پہلے کسی نے اپنے آپ کو کامل سمجھ لیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو "مجذوب متمکن" کہتے ہیں اور اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ نہ خود پہنچے ہیں نہ دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں۔

پھر اس پر اشکال آیا۔ اشکال ہمارے بڑے عزیز دوست کا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے غلط کیا ہے، اشکال کرنا چاہئے تاکہ بات سمجھ میں آجائے۔

"السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! حضرت ایک اشکال ذہن میں آیا ہے کہ حدیث شریف: "أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً" ۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر: 52) میں صرف دل تک بات محدود ہے، اس میں نفس کا ذکر نہیں ہے۔ جب کہ آپ کی تحریر سے لگتا ہے کہ دل کے ساتھ ساتھ نفس کی صفائی بھی ضروری ہے۔ اگر مناسب محسوس فرمائیں تو اصلاح فرما دیں۔ چونکہ سوال جواب کا گروپ ہے، اس لئے جسارت کر رہا ہوں۔"

اس پر میں نے لکھا کہ اس پر تو الطاف القدس میں لطائفِ ثلاثہ پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پورا باب لکھا۔ مختصراً عرض کرتا ہوں: اگر کوئی پوچھے قرآن میں آیا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ اس کے مطابق مکمل کامیابی نفس کے تزکیہ پر موقوف ہے، تو پھر دل کی بات کیوں کی جاتی ہے، تو اس کا کیا جواب دو گے؟ قرآن نے بھی حتمی اور مکمل بات کی ہے۔ ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ اس میں کہیں دل کا تذکرہ نہیں، صرف نفس کا ذکر ہے۔ جیسے اس حدیث میں مکمل بات ہے یہاں پر بھی مکمل بات ہے تو پھر کیا جواب دو گے؟

اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ ہم دونوں صورتوں میں کہیں گے کہ دونوں باتیں بیک وقت صحیح ہیں۔ ایک قرآن سے مستنبط ہے اور دوسری حدیث شریف سے۔ دونوں

منجانب اللہ ہیں، ایک وحی متلو (تلاوت کی جانے والی) ہے، دوسری وحی غیر متلو ہے۔ اس لئے ان کی تطبیق کرنی پڑے گی۔ تطبیق اس طرح ہوگی کہ نفس کی مکمل اصلاح دل کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں اور دل کی مکمل اصلاح نفس کے تزکیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ دونوں کی اصلاح ہو جائے تو دونوں ٹھیک ہوں گے۔ اس طرح قرآن و حدیث دونوں کی بات ٹھیک ہوگئی۔ دونوں کی اہمیت کا پتا چل گیا کہ دونوں کی بیک وقت ضرورت ہے۔ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقل کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا۔ نقشبندی سلسلہ میں تو یہ بات بہت واضح ہے کہ جذب دل میں ہوتا ہے، جس کو سلوک کی بنیاد بنایا جاتا ہے اور تقویٰ دل میں ہوتا ہے، لیکن بنتا نفس کے رذائل کو دبانے سے ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

ان چیزوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی بہت ضرورت ہے، انہیں سمجھے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ اگر ہم لوگ ان چیزوں کو نہ سمجھیں تو پتا نہیں بات کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ نفس کا مقابلہ کرنے کے لئے طبیعت میں دیوانگی (جذب) آجائے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (یہ دیوانگی آپ کی طبیعت میں موجود ہے، لیکن اس کے اسباب آپ کو اختیار کرنے پڑیں گے۔)

مثلاً چقماق پتھر کے اندر صلاحیت پہلے سے موجود ہے، صرف رگڑ کی ضرورت ہے۔ جب تک رگڑ نہیں ہوگی وہ پتھر کا پتھر رہے گا، لیکن جب آپ رگڑیں گے تو اس سے چنگاری نکلے گی۔ اگر قریب کوئی خس و خاشاک یا تیل وغیرہ ہو تو آگ بھڑک اٹھے گی۔

فرمایا: (یہ دیوانگی آپ کی طبیعت میں موجود ہے لیکن بے کار عوارض کے باعث آپ نے اس کو خس و خاشاک میں چھپا دیا ہے۔ کیا کیا جائے کہ ظاہری دوری کی وجہ سے آپ میں بہت کچھ بے مناسبتی مفہوم ہوتی ہے۔ (یعنی آپ جو بے مناسبتی محسوس کر رہے ہیں وہ ظاہری دوری کی وجہ سے ہے۔) صحبت میں آ جائیں تاکہ آپ کی جو اصل چیز ہے وہ ظاہر ہو جائے۔)

میں آپ کو ایک بہت بڑی بات بتاتا ہوں۔ تصوف میں یہ چیزیں اتنی حتمی، اتنی

اٹل اور اتنی واضح و بیّن ہیں کہ بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہیں، لیکن افسوس ان پہ غور نہیں کیا جاتا۔ اب ذرا دیکھو ایک ہے "فاعِلہ" اور ایک ہے "مجاہدہ" فاعلہ انسان کے اندر چھپی ہوتی ہے، جیسے چقماق میں یہ صفت موجود ہے کہ اسے رگڑنے سے چنگاری پیدا ہوگی، اسے ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک حرکت کی ضرورت ہے۔ یہ صفت از خود اس کے اندر موجود ہے آپ پیدا نہیں کر سکتے، آپ صرف اس کو فعال کرنے کے لئے انتظام کر سکتے ہیں۔ یوں ہی ہمارے اندر لطائف موجود ہیں۔ لطیفۂ قلب سب کے اندر موجود ہے، لطیفۂ روح سب کے اندر موجود ہے، لطیفۂ سر سب کے اندر موجود ہے۔ یہ ساری چیزیں سب کے اندر موجود ہیں، لیکن فعال کرنے کے لئے ایک محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت کو فاعلہ کہتے ہیں۔ اس کو مختلف طریقوں سے فعال کرتے ہیں، مثلاً ذکر، مراقبہ، شغل اور صحبتِ شیخ وغیرہ۔ ان ذرائع سے فعال (activate) کرتے ہیں۔ ان سب میں اعلیٰ طریقہ صحبتِ شیخ کے ذریعہ فعال کرنا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نقشبندی سلسلے میں ابتدائی فیض نسبت انعکاسی کا ہے۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ خود فعال کرنے کا جو راستہ ہے بہت طویل اور کٹھن ہے لیکن جب آپ صحبت میں ہوں گے تو وہ راستہ بہت آسانی کے ساتھ طے ہو جائے گا۔ بعض دفعہ صرف صحبت میں بیٹھنے سے وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ شیخ کوئی طریقہ بتا دیتا ہے اور اس طریقہ پہ آپ جب عمل کرتے ہیں تو نظام فعال ہو جاتا ہے، اور کام چل پڑتا ہے۔

ہمارے ایک ساتھی کے مراقبات چل رہے تھے۔ میں نے ان کو ایک مراقبہ دیا۔ وہ مراقبہ ان کو بہت پسند آیا، اور چل پڑا۔ وہ چل رہا تھا کہ اسے اگلا مراقبہ دے دیا گیا۔ وہ اگلے مراقبہ پہ محنت کر رہا تھا، لیکن پہلے والے کو چھوڑ نہیں رہا تھا، کیونکہ وہ اس کو پسند تھا۔ لیکن اب وہ اس سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ انھوں نے مجھے کہا کہ اب نہیں ہو رہا۔ میں نے کہا اب نہیں ہو گا۔ کہا: کیوں نہیں ہو گا؟ میں نے کہا: کیونکہ آپ اس مراقبہ سے گذر کر اگلے پہ پہنچ گئے ہیں، اب اگلے پہ دھیان دو۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت کو بتایا کہ مجھے ہر چیز سے خوشبو آتی ہے۔ فرمایا: ان شاء اللہ اب

نہیں آئے گی۔ کہتے ہیں: میں بڑا حیران ہوا کہ حضرت نے یہ کیا بات کی۔ خوشبو تو ایک اچھی چیز ہے، سنت ہے، ہر آدمی چاہتا ہے۔ تو حضرت نے ایسا کیوں فرمایا کہ اب نہیں آئے گی، اور ساتھ ان شاء اللہ بھی کہہ دیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھے خوشبو آنا بند ہوگئی۔ میں ڈر گیا، اور حضرت سے عرض کی کہ حضرت اب تو خوشبو بالکل نہیں آرہی۔ فرمایا: بیٹا میں نے آپ کو اگلے درجے پہ ترقی دے دی، اس مرحلہ میں خوشبو نہیں آتی۔

مثلاً آپ لاہور جا رہے ہیں۔ لاہور کے راستے میں گوجر خان کے قریب ایک بہت زبردست قسم کا باغ ہے، ہریالی ہے اور ما شاء اللہ بڑی عمدہ جگہ ہے۔ آپ کو وہ جگہ بہت پسند آئی، لیکن آپ چند کلو میٹر آگے گئے تو ریگستان آگیا۔ جس نے آپ کو بھجوایا اس کے ساتھ آپ کا فون پہ رابطہ ہے، آپ گھبرا کے اسے فون کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی تک بہت خوبصورت مناظر والے مقام تھے اور اب بالکل ریگستان شروع ہوگیا ہے۔ وہ آپ کی بات سن کے کہتا ہے ما شاء اللہ آپ آگے جا رہے ہیں، پہنچنے والے ہیں۔ کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ آپ ریگستان پہنچ گئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ زیادہ راستہ طے ہوگیا۔ یہاں نہ ریگستان مطلوب ہے، نہ نخلستان مطلوب ہے، بلکہ راستہ طے کر کے لاہور پہنچنا مطلوب ہے۔ لہٰذا نخلستان آیا، یہ بھی آپ کا مشاہدہ ہے، ریگستان آیا، یہ بھی آپ کا مشاہدہ ہے، دریا آیا، یہ بھی آپ کی مشاہدہ ہے، یہ سب محض آپ کے مشاہدات ہیں، ان میں مطلوب کوئی بھی نہیں ہے۔

الحمد للہ! میرے شیخ نے مجھے بھی یہ بات سمجھائی تھی۔ جب ایک بار میں نے کچھ اس طرح کی بات عرض کی تو فرمایا: "ارے چھوڑو! یہ رستے کے کھیل تماشے ہیں، ان کے اندر نہ پڑو۔" بعض لوگ ان رستوں کے کھیل تماشوں میں پڑ جاتے ہیں اور اپنا مقصود گم کر دیتے ہیں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نسبتِ انعکاسی اور شیخ کی صحبت کے ذریعہ معاملات بہت جلدی طے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے بزرگ کے قول سے استدلال کرتا ہوں، جس نے دیہاتی انداز میں بہت اونچی بات کی۔ غالباً حضرت تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ، سندھ کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں، لیکن مفہوم یاد ہے۔

فرمایا: "دیکھو! اگر دودھ کو بلو بلو کے سرخ بھی کر دو، جب تک جاگ نہیں ڈالو گے، اس سے مکھن نہیں نکلے گا"۔ حضرت نے گویا یہ سمجھایا کہ جب تک شیخ کی طرف سے نسبت کا القا نہیں ہوگا، اس وقت تک آپ کا مجاہدہ بھی کام نہیں کرے گا، قوتِ فاعلہ بھی کام نہیں کرے گی۔ یہ تب کام کریں گے جب شیخ کی نسبت ساتھ شامل ہو جائے۔ یہ بہت بڑی بات ہے جس کو عموماً لوگ نہیں سمجھ پاتے۔

ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ ایسا ہوا کہ آپ کے خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور ایک چیز کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ کو یہ چیز حاصل ہوگئی ہے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ شاید میں اپنے شیخ سے آگے بڑھ گیا ہوں کہ آپ ﷺ خود تشریف لائے ہیں، ورنہ شیخ کے ذریعہ سے کہلوا دیتے۔ یہ ایک خیال اور وسوسہ تھا۔ ایسے لوگوں کو وسوسے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ صبح نماز کے بعد حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: رات آپ ﷺ تشریف لائے تھے اور یہ فرمایا تھا؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ: حضرت آپ کو کیسے پتا؟ فرمایا: مجھے اللہ پاک نے بتا دیا۔ بس جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب شرم سے پانی پانی ہوگئے کہ یہ تو معاملہ بہت اونچا ہے۔

بعض دفعہ انسان کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ شاید مجھے یہ کمال حاصل ہوگیا۔

کسی نے مجھے اپنا خواب سنایا تھا کہ ایک بزرگ خواب میں آئے، انہوں نے کہا کہ:

Then our man collapse like their building

یعنی انسان اونچی بلڈنگ کی طرح منہدم ہوگیا۔ بلڈنگ کا منہدم ہونا دکھائی دیا۔ یعنی بلڈنگ بہت اونچی ہے، لیکن جب شامت آجائے تو کیا ہو سکتا ہے، اونچی بلڈنگ بھی گر کر تباہ ہو جاتی ہے۔

بعض دفعہ بہت اونچائی پہ جا کر بھی انسان پاش پاش ہو سکتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو۔ ذرا سوچیں کہ شیطان کتنے اونچے مقام پہ پاش پاش ہوا ہے۔ اگر اپنے اوپر نظر ڈالو گے اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگو گے تو مسائل پیدا ہوں گے۔ اس تصوف کے شعبے میں سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ کے ذریعہ سے ہی اس قسم کی

چیزوں سے حفاظت فرماتے ہیں کہ انسان کی اپنے اوپر نظر نہیں پڑتی۔ ورنہ انسان بہت جلدی بھول جانے والا ہے۔ اگر اپنی محنت سے کام کرتا ہو اور کچھ حاصل کر لے تو بہت پھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ مجھے میری محنت سے حاصل ہوا، لیکن جب تصوف کی لائن پہ آتا ہے تو جو بھی اس کو حاصل ہوتا ہے، کہتا ہے یہ سلسلہ کی برکت ہے، میرے شیخ کی برکت ہے، شیخ کی صحبت کی برکت ہے۔ نتیجتاً اس چیز سے بچا رہتا ہے۔

آپ اندازہ کر لیں کہ ہر بزرگ چاہے کتنے بڑے مقام پہ کیوں نہ ہو وہ اپنے شیخ کے سامنے ہیچ ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کتنے اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ اپنے وقت کے مجدد ہیں، ہزار سے زیادہ کتابیں لکھیں، کتنے زیادہ خلفاء اور کتنے لوگوں کی تربیت فرمائی۔ لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک وکیل پہلے میرے مخالف تھے، بعد میں معتقد ہوگئے، مداح ہوگئے اور ایسے مداح ہوگئے کہ وہ فدا ہوگئے۔ (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں بیان کر رہا تھا اور وہ سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ (ان دنوں فارسی سب کو آتی تھی تو اس وکیل کو بھی فارسی آتی تھی) تو میرے سامنے مسلسل یہ شعر پڑھ رہا تھا:

تو مکمل از کمال کیستی
تو منور از جمال کیستی

تشریح:

"تو کس کے کمال سے مکمل ہے تو کس کے جمال سے منور ہے"۔

حضرت فرماتے ہیں: میں بھی جوان تھا، مجھے بھی جوش آگیا۔ میں نے کہا:

من مکمل از کمالِ حاجیَم
من منور از جمال حاجیَم

تشریح:

میں اپنے حاجی صاحب کے کمال سے مکمل ہوں، میں اپنے حاجی صاحب کے جمال سے منور ہوں۔

اور حاجی صاحب کو دیکھو تو میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے آپ

کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ ان کو دیکھو تو وہ اپنے شیخ کے سامنے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ہر ایک کو دوسرے پہ فدا دیکھو گے۔ اور یہ معاملہ اوپر تک، آپ ﷺ تک جاتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''أَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَأَحْسَنَ تَأْدِيْبِيْ''۔ (المقاصد الحسنۃ للسخاوی، جلد 1، ص 35)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔''

یہ معاملہ اسی طرح اوپر جاتا ہے۔ یہ محفوظ ترین طریقہ ہے۔ اگر درمیان میں شیخ والی بات نہ ہو تو شیطان بننا کوئی مشکل نہیں ہے۔

اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ آپ ذرا تاریخ پر نظر دوڑائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جن سے بھی اللہ نے دین کی قبولیت والا کام لیا ہے، وہ اس راستہ سے گذرے ہیں تب کام لیا ہے۔ پہلے ان کی انانیت اپنے شیخ میں فنا ہوئی ہے، تب کام لیا گیا ہے۔ جن کی انانیت زندہ تھی، کام نہیں کر سکے، محض باتیں کی ہیں، جن سے اللہ پاک نے کام لیا، پہلے ان کی انانیت فنا کی پھر اس کے بعد ان سے کام لیا۔ اور اب تک ہمارا یہی طریقہ ہے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیں۔ اپنے وقت کے علامہ تھے، ایسے علامہ جن کے شیخ بھی ان کو علامہ کہتے تھے۔ لیکن دیکھیں کہ یہ علامہ اپنے شیخ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

یہ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے شیخ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں چند اشعار ہیں۔

اے مسیح دردِ دل، چارہ گرِ آزارِ دل
پا رہا ہے تیرے درماں سے شفا بیمار دل

دور باش افکارِ باطل، دور باش اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہِ خوباں کے لئے دربارِ دل

اور ہی مٹ جائے گی تاریکئ افکارِ دل
خانۂ دل میں جو پھیلیں گے کبھی انوارِ دل

تیرے اک چھینٹے سے اے ابر بہاری ان دنوں
سبز ہے، شاداب ہے، سیراب ہے، گلزارِ دل

دور ہوتی جا رہی ہے جو کھٹک کہ دل میں تھی
تیرے سوزن سے نکلتے جا رہے ہیں خارِ دل

عشق کا رہبر دلیلِ راہ جس دن سے بنا
بن رہا ہے آپ ہی انکارِ دل، اقرارِ دل

(یعنی جو رکاوٹیں تھیں وہ دور ہو رہی ہیں۔ دل پہلے نہیں مان رہا تھا وہ مان رہا ہے۔)

ہوش ہے، گرمی و مستی ہے، وفورِ شوق ہے
شکر ہے رونق پہ ہے امروز کاروبار دل

جمع وہ سامان ہو جس کی خریداری بھی ہو
سوچ کر اے دل لگانا چاہئے بازارِ دل

تشریح:

(کہتے ہیں اتنے جوش میں آگیا ہوں کہ مجھ میں اب کنٹرول کرنے کی ہمت نہیں۔ اللہ پاک سے مدد مانگ رہے ہیں۔)

المدد توفیقِ ضبط و المدد تابِ سکوت
لب پہ لے آئے نہ جوشِ دل کہیں اسرارِ دل

تشریح:

(یعنی کہیں میں اپنا حال ظاہر نہ کر دوں۔)

قلبِ عاشق بھی ہے پھر ہم پایۂ عرشِ بریں
جلوہ فرما مسندِ دل پر اگر ہو یارِ دل

سامنے ہے منزلِ مقصود، اے رہوارِ دل
اور بھی اب تیز ہونی چاہئے رفتارِ دل

خانۂ دل میں نہ جب تک کم ہو گھر کا شور و غل
گوشِ دل سے سن سکے کیونکر کوئی گفتارِ دل

تشریح:

(یہ وہی بات جو ابھی تھوڑی دیر پہلے بیان ہوئی ہے کہ جذب میں آپ کو پہلے تمام چیزوں سے کاٹا جاتا ہے، کیونکہ جب تک آپ کے اوپر نفس حاوی ہے، آپ سلوک طے نہیں کر سکتے۔ پہلے نفس کے تمام راستوں کو کاٹا جاتا ہے، جب کٹ جاتے ہیں، پھر نفس کی نوک پلک کو درست کرتے ہیں۔

خانۂ دل میں نہ جب تک کم ہو گھر کا شور و غل
گوشِ دل سے سن سکے کیونکر کوئی گفتارِ دل

فخر تو اس رشتۂ تسبیح پر فرما نہ شیخ
دل کی رگ رگ سے تو پہلے کھینچ لے زُنّارِ دل

تشریح:

اس میں سارا کلام تقریباً اس قسم کا ہے اور یہ ہم پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ یہ لائن اس قسم کی ہے۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس کے کہ علامۂ وقت تھے، لیکن اللہ پاک نے جب کام لینا چاہا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی طرف متوجہ کیا۔

اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ اصل بات یہ ہے کہ انسان کو صحبتِ شیخ کو لازم پکڑنا چاہئے۔ کیونکہ صحبتِ شیخ کے ذریعہ سے وہ صلاحیتیں جو انسان کے اندر مخفی ہیں کام میں لگ جاتی ہیں۔

جیسے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ ظاہری دوری کی وجہ سے آپ

میں بہت کچھ بے مناسبتی معلوم ہوتی ہے، اس کا جلد تدارک فرمائیں (یعنی صحبت سے دوری کی وجہ سے آپ کے اندر جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں وہ ظاہر نہیں ہو رہیں۔ ان کو ظاہر کر لیں) اور اپنی کم ہمتی کو عین ہمت استطاعت جان کر اس جسدی ظاہری دوری کو رفع کریں"۔ (جو آپ کی کم ہمتی ہے اسی کے مطابق بند و بست کر کے اس دوری کو دور کر لیں تاکہ آپ کو یہ اصل چیز حاصل ہو جائے۔)

فرمایا: "اس گروہ کی جمعیت مخلوق کے دلی اطمینان سے بہت بلند ہے، مخلوق کی دل جمعی کے اسباب ان کے تفرقے اور اختلافات کا باعث ہیں"۔

یعنی مخلوق جن چیزوں سے اطمینان حاصل کرتی ہے، وہ ان کے لئے تفرقہ ہے۔ یہ حضرات ان چیزوں کی طرف نہیں جاتے۔ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ یہ ان چیزوں کو رکاوٹ مانتے ہیں۔

فرمایا: "مخلوق کے اختلافات کے اسباب میں ہاتھ ڈالنا چاہئے، یعنی ان میں غور کرنا چاہئے تاکہ دل کا اطمینان حاصل ہو، اور اگر بالفرض اس گروہ کو مخلوق کی جمعیت کے اسباب عنایت ہو جائیں تو اس جمعیت سے بھی ڈرنا چاہئے"۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے دنیاوی اسباب عنایت فرما دے تو اس پہ ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ میرے لئے رکاوٹ بن جائیں، یعنی آپ کی دلی خواہش یہ نہ ہو کہ مجھے یہ چیز مل جائے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ دے تو شکر کرو، لیکن ڈرنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے لئے مصیبت بن جائے۔

حضرت مجدد صاحب نے اس انداز میں نصیحت فرمائی ہے کہ جن چیزوں نے آپ کو روکا ہے ان کو آہستہ آہستہ کُرید کے بتا رہے ہیں کہ یہ چیزیں جن کی وجہ سے آپ رکے ہوئے ہیں، یہ ہمارا مقصود نہیں ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کے دور کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ انگریزوں کے دور میں یہ بڑا اونچا منصب تھا۔ یہ معمولی لوگ نہیں ہوا کرتے تھے۔ انگریزوں کے دور کے جنرل اور آج کے دور کے جنرل میں بڑا فرق ہے۔ خواجہ صاحب اُس دور کے ڈپٹی کلکٹر تھے، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہنے کے لئے چھٹیاں لیں، اپنا سارا کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت کے ساتھ کافی مدت تک خانقاہ میں

سکونت اختیار کئے رکھی اور ماشاء اللہ اپنی تربیت کی تکمیل کروائی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بڑا ڈانٹ ڈپٹ کے سکھایا، ان کی کلکٹری کو کوئی حیثیت نہ دی۔ خواجہ صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھ رہے تھے۔ ایک دفعہ کسی جگہ دوات پڑی رہ گئی، کسی کی ٹھوکر سے وہ دوات گر گئی اور سیاہی فرش پر پھیل گئی۔ اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بہت ڈانٹا، کہا کہ تجھے اتنا طریقہ بھی نہیں آتا، یہ کوئی طریقہ ہے کہ اس طرح کسی چیز کو یوں بے احتیاطی سے پڑے رہنے دیا جائے۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ یہ کہہ کر خانقاہ سے نکال دیا۔ خواجہ صاحب، حضرت کے عاشق تھے، باہر نکل گئے، حکم پر عمل کیا، لیکن سیڑھیوں میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے پوچھا: بھئی وہ باؤلا کدھر گیا۔ لوگ چلے گئے، دیکھا تو سیڑھیوں میں بیٹھے ہیں اور بڑے جوش سے ایک کلام پڑھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں:

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر ہم در نہ چھوڑیں گے
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں اُن کی کہیں اپنی

اللہ پاک نے پھر ان کو کیسا بنایا، کیا بنایا! ان کا یہ مقام تھا کہ خود بیان کیا کہ ایک موقع پہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے بہت فکر تھی کہ میرے بعد سلسلہ کا کیا ہو گا، میری دو آدمیوں پہ نظر ٹھہر گئی کہ ان شاء اللہ یہ ہوں گے تو کام چل پڑے گا۔ ایک جامعہ اشرفیہ لاہور والے مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا، اور دوسرے کا نام بتاتے ہوئے خواجہ صاحب خاموش ہوگئے، کیونکہ وہ خود ان کا اپنا نام تھا۔ دونوں کا نام حسن تھا۔ ایک عزیز الحسن اور دوسرے مفتی محمد حسن۔

اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ صحبتِ شیخ بہت بڑی چیز ہے۔ یہ اگر کسی کو ملتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ دنیا و ما فیہا سے اونچی دولت ہے۔ شیخ چاہے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے لیکن مرید کے لئے بہت کچھ ہے۔ کیونکہ مرید کے لئے شیخ اللہ پاک سے لینے کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے اگر کسی کو اپنے شیخ کی صحبت و قرب حاصل ہے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں تین بزرگوں کا ایک

واقعہ بیان کیا ہے۔ تینوں حضرات اتنے بڑے مقام کے حامل تھے کہ ان کو طیُّ الارض حاصل تھا۔ جہاں چاہتے، وہاں پہنچ جاتے تھے، ایک بار ان کے شیخ نے ان تینوں سے پوچھا: عید آرہی ہے، آپ لوگوں نے عید کی نماز کہاں پر پڑھنی ہے؟ ایک نے کہا: حضرت میں تو مکہ مکرمہ میں پڑھوں گا۔ فرمایا: اچھا ٹھیک ہے، ماشاء اللہ بہت اچھا ذوق ہے۔ دوسرے سے پوچھا کہ آپ کہاں پڑھیں گے؟ انہوں نے کہا: میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں پڑھوں گا۔ فرمایا: ماشاء اللہ بہت اچھا ذوق ہے۔ تیسرے سے پوچھا، اس نے کہا: حضرت جہاں آپ ہوں گے، وہیں میں بھی پڑھوں گا۔ انہوں نے کہا: آپ جیت گئے۔ یہی اصل بات ہے۔ اگر انسان غور کرے تو یہ بہت اونچی چیز ہے۔ لیکن یہ راز ہر ایک پہ نہیں کھلتا جن پہ کھل جاتا ہے، ان کے سامنے باقی دنیا کچھ بھی نہیں ہوتی اور جن پہ نہیں کھلا ہوتا ان کی اپنی قسمت ہے۔ قسمت قسمت کی بات ہے۔

اہلِ جمعیت کی صحبت کی ترغیب:

ایک تو شیخ کی صحبت ہے، جس کی بات ابھی ہوئی۔ ایک اہل جمعیت کی صحبت ہے، اہل جمعیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمعیتِ قلب حاصل ہو چکی ہے۔ دفتر اول مکتوب 120 میں حضرت اہلِ جمعیت کی صحبت کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

متن:

شاید کہ جناب میر صاحب نے فراموشی اختیار کرلی ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں فرماتے، فرصت بہت کم ہے، اس (فرصت) کو اعلیٰ ترین مقاصد میں صرف کرنا ضروری ہے، اور وہ (اعلیٰ مقصد) اربابِ جمعیت کی صحبت ہے، کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت ہی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام غیر صحابہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے خواہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا عمر مروانیؒ (یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات حضور اکرم ﷺ کی صحبت کے علاوہ تمام درجات کی نہایت اور تمام کمالات کی غایت تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خطا

آنحضرت ﷺ کی صحبت ہی کی برکت کی وجہ سے ان دونوں کے صواب سے بہتر ہے۔

تشریح:

سبحان اللہ! کیا عجیب بات فرمائی۔ یہ چیز ہم لوگ نہیں سمجھ پاتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضي اللہ تعالیٰ عنہ یہ خواہش کرتے تھے کہ کاش میرا صواب (درستگی) آپ ﷺ کے سہو میں بدل جائے۔ **یعنی** جو آپ ﷺ سے نماز میں سہو ہو رہا ہے، میرا صواب اس کی طرح ہو جائے۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو خطا ہے وہ آپ ﷺ کی صحبت کی برکت کی وجہ سے ان دونوں (اویس قرنی اور عمر مروانی) کے صواب سے بہتر ہے۔

متن:

اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا سہو ان دونوں کے صواب سے افضل ہے کیونکہ ان بزرگواروں کا ایمان، رسول اللہ ﷺ کی شرف زیارت، فرشتہ کی حاضری اور وحی کے مشاہدہ کرنے اور معجزات کے دیکھنے کی وجہ سے شہودی ہو چکا تھا۔

اور ان (صحابہ رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو تمام کمالات کے اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے۔ اور اگر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے: ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (البقرة: 105) (اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

تشریح:

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ غالباً حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ یہ بہت بڑے عالم تھے، ان کے شاگرد بھی بڑی تعداد میں تھے، ایک شاگرد ان کو بڑا محبوب تھا۔ اس کے علاقہ میں حضرت کا جانا ہوا، باقی شاگرد تو حاضر ہوئے لیکن وہ نہ آیا۔ حضرت نے ان کے بارے میں پوچھا کہ وہ کدھر ہے؟ انہوں نے کہا: وہ

آج کل بوڑھے والدین کی خدمت میں بہت زیادہ مصروف ہیں، اس وجہ سے وہ حاضر نہیں ہو سکے۔ فرمایا: ما شاء اللہ والدین کے بڑے خدمت گذار ہیں، ان شاء اللہ بہت اچھی، سکون و اطمینان کی زندگی گذاریں گے۔ پھر ذرا خاموشی کے ساتھ کہا: لیکن اس کے علم میں برکت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ جل شانہٗ نے والدین کو دنیا میں آنے کا ذریعہ بنایا ہے، لہٰذا دنیا کے اسباب کے لحاظ سے اطمینان والدین کی خدمت میں ہے۔ استاذ سے علم حاصل ہوتا ہے، لہٰذا علم میں برکت اساتذہ کی خدمت میں ہے۔ مشائخ چونکہ اللہ پاک کے قرب کا ذریعہ ہوتے ہیں، لہٰذا اللہ پاک کا قرب مشائخ کی خدمت میں ہے۔ مشائخ کے ساتھ تعلق جتنا مضبوط ہوگا، یہ نعمت اتنی زیادہ حاصل ہوگی۔ اللہ پاک نے یہ معاملات اسی طرح طے کئے ہیں۔

یہ بات پہلی دفعہ میں نے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب شریف میں ہی پڑھی تھی کہ اگر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے۔ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اس سے کیا ہوتا ہے تو وہ تمام چیزوں کو کم از کم ایک لمحہ کے لئے چھوڑ دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاتے، بے شک پھر واپس چلے جاتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنکھوں سے دیدار کر لیتے۔

اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ افضل التابعین ہیں۔ لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی سے کم ہیں۔ میں آپ کو اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ حرم شریف میں ایک گراؤنڈ فلور ہے، جس کو مطاف کہتے ہیں، ایک اس سے اوپر کا ہے، جس کو میزانیاً فلور کہتے ہیں، پھر اس کے بعد پہلا فلور ہے پھر اس کے بعد دوسرا فلور ہے۔ میزانیاً فلور کی سب سے پہلی صف گراونڈ فلور کی سب سے آخری صف کے بعد سمجھی جائے گی اور میزانیاً فلور کی سب سے آخری صف کے بعد پہلے فلور کی سب سے پہلی صف شمار ہوگی اور دوسرے فلور کی سب سے پہلی صف پہلے فلور کی آخری صف کے بعد شمار ہوگی۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر سمجھیں کہ بزرگوں کے بھی طبقات ہیں، پہلے صحابہ رضی اللہ عنہ کا طبقہ ہے، پھر تابعین کا طبقہ ہے، پھر تبع تابعین کا طبقہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کا آخری طبقہ تابعین کے پہلے طبقہ سے بھی افضل ہے۔ اسی طرح تبع تابعین کا سب سے اول طبقہ تابعین

کے آخری طبقہ سے ادنیٰ ہے۔ یہ اس قسم کی ترتیب ہے۔ اگر ہم لوگ ان چیزوں کو سمجھ لیں تو بہت فائدہ ہو۔

اغنیاء کی صحبت سے بچنے اور فقراء کی صحبت کے حصول کی ترغیب:

دفتر اول کے مکتوب نمبر 132 میں اغنیاء کی صحبت سے بچنے اور فقراء کی صحبت کو حاصل کرنے کی ترغیب پر حضرت فرماتے ہیں کہ:

متن:

اے میرے بھائی! آپ نے ظاہری طور پر فقراء کی ہم نشینی سے تنگ دل ہو کر دولت مندوں کی مجلس اختیار کر لی ہے (یہ کام) بہت بُرا کیا۔ آج (دنیا میں) اگر آپ کی آنکھ (بصیرت) بند ہو تو کل (قیامت کے دن) کھل جائے گی۔ اس وقت ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ آگاہ کر دینا ضروری ہے۔ اے ابو الہوس! تمہارا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ دولتمندوں کی مجلس میں دل جمعی ملے گی یا نہیں۔ اگر اس سے (دل جمعی) مل جائے تو بُرا اور اگر نہ ملے تو اس سے بدتر ہے۔ اگر مل جائے تو یہ (جمعیت نہیں بلکہ) استدراج ہے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِن ذَالِكَ (اللہ سبحانہ کی اس سے پناہ) اور اگر نہ ملے تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ (الحج: 11) دنیا و آخرت (دونوں جگہ) نقصان ہے) ان کے حال کی نشانی ہے۔ فقراء کے آستانوں کی خاکروبی دولت مندوں کے ہاں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج اگر یہ بات آپ کو معقول معلوم ہو یا نہ ہو آخر کار معقول معلوم ہو جائے گی مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ مرغن غذائیں اور فاخرہ لباس کی تمنا اور آرزو نے تم کو اس مصیبت میں ڈالا ہے۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے اگر اصل کی طرف رجوع کر لیں۔ جو چیز بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف رکاوٹ کا سبب ہو اس کو دشمن جان کر اس سے فرار اختیار کریں اور پرہیز کریں۔

﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (التغابن:14) (بیشک تمہاری بیویاں اور اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں پس تم ان سے بچتے رہو) نصِ قطعی ہے۔

صحبت کے حقوق نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کر

دی جائے۔ عمل کریں یا نہ کریں۔ میں تمہاری فضول باتوں کو پہلے سے جانتا ہوں کہ تمہارے لئے اس طریقہ کے فقر پر استقامت دشوار ہے۔

وَقَدْ كَانَ مَا خِفْتُ أَنْ يَّكُونَا إِنَّا إِلَى اللهِ رَاجِعُونَا

ترجمہ: (بیشک وہ بات ہو کے رہی جس کا خوف تھا

تحقیق ہم خدا کی طرف ہیں رجوع اب اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات أتمّھا وأکملھا کی تابعداری کو لازم پکڑے۔ مجھے تمہاری عادت اور قابلیت سے کچھ اور ہی توقع تھی لیکن تم نے اپنے نفیس جوہر کو پاخانے (گندگی) میں پھینک دیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

تشریح:

دنیا کی چیزیں فانی ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے بزرگوں کی صحبت کو چھوڑنا حماقت ہے۔ اگر ہم نے اللہ والوں سے دوری اختیار کر لی تو ہم اللہ اور اس کے دین سے دور ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ جو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی معیت کا ذریعہ ہے، اگر وہ کمزور ہو جائے تو بے شک ہم کتنے اونچے مقام پر ہوں، بالآخر ہم اللہ کی معیت سے کٹ جائیں گے۔ لہٰذا سب سے پہلے تو اپنے ذریعہ کو مضبوط کرنا ہے اور اس کا ذریعہ صحبتِ سوء کے مقابلہ میں صحبت صالح اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی حدیث شریف ہے کہ صحبتِ سوء سے خلوت اچھی ہے اور صحبتِ صالح خلوت سے اچھی ہے۔ اب حضرت اس بارے میں بات کر رہے ہیں کہ صحبتِ صالح خلوت سے بہتر ہے۔

بعض صحبتیں گوشہ نشینی پر ترجیح رکھتی ہیں:

اس کے بارے میں دفتر اول مکتوب نمبر 270 میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

میرے بھائی شیخ نور محمد! آپ نے (ہم) دُور پڑے ہوؤں کو اس طرح بھلا دیا ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں کرتے۔ آپ کو گوشہ نشینی و یکسوئی کی بڑی خواہش تھی، سو میسر ہو گئی۔ لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضلیت رکھتی ہیں۔ (مثلاً) حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے حال پر قیاس کریں کہ چونکہ آپ نے

گوشہ نشینی اختیار کی لہٰذا حضرت خیرالبشر علیہ وعلی آلہ الصلوت والتسلیمات کی صحبت حاصل نہ کر سکے اور اسی لئے وہ صحبت کے کمالات سے بہرہ ور نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہوگئے اور اوّل درجہ کی فضیلت سے محروم ہو کر دوسرے درجہ میں رہ گئے۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے (یہاں) ہر روز کی صحبت نئی طرز پر ہے۔ مَنِ اسْتَوَى يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْن (جس کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)۔ اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کے راستے پر چلے اور حضرت محمد مصطفی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑیں۔

تشریح:

کیسی عمدہ نصیحت فرمائی ہے۔ یعنی آپ کو اپنا مقصود حاصل ہوگیا کہ آپ نے ایسے یکسوئی اختیار کر لی، اچھی بات ہے، لیکن جو صحبتِ صالح سے آپ کو ملنے والا تھا وہ آپ نے چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ سے کام رہ گیا۔

خانقاہ کا تصور بنیادی طور پر اسی حدیث شریف سے مستنبط ہے، کہ صحبتِ سوء سے خلوت اچھی اور خلوت سے صحبتِ صالح اچھی ہے۔ خانقاہ آپ کو بیرونی صحبت سے بچا کے رکھتی ہے۔ جب آپ خانقاہ میں رہتے ہیں تو آپ صحبت سوء سے محفوظ رہتے ہیں، گھر کے اندر جو مشکلات ہوتی ہیں، یا بازار میں یا دوسری جگہوں میں جو مسائل ہوتے ہیں وہ سب مسائل سے آپ منقطع ہوگئے، لہٰذا آپ ان سے خلوت میں آگئے، لیکن جب خانقاہ میں شیخ کی مجلس ہو، تو پھر وہ مجلس خلوت سے اچھی ہے۔ گویا کہ دونوں طرح کی بہتری خانقاہ میں موجود ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں یہ قانون تھا کہ عشاء کے بعد خلوت ہوا کرتی تھی۔ اس میں کسی کو دوسرے کے ساتھ ملنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ انہی میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بڑے بڑے لوگ سوتے تھے، عشاء کے بعد باتیں کرنے کی اجازت نہیں تھی، آپ بے شک سو جائیں لیکن کسی اور کو پریشان نہ کریں۔ پھر جب شیخ کی مجلس ہوتی تو سب لوگ اپنے اپنے خلوت خانوں سے نکل کے حضرت کی مجلس میں موجود ہوتے تھے۔ یہ خانقاہ کا بنیادی تصور ہے۔ آج کل چونکہ ان چیزوں کی اہمیت کا احساس نہیں ہے، لہٰذا بہت

سارے مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم سب کی اصلاح کر لیں۔ خدا کے بندے جب تک آپ کی اپنی اصلاح نہیں ہوئی، آپ دوسرے کی کیا اصلاح کریں گے۔ اگر خود میرے اپنے ہاتھ گندے ہیں تو میں ان کے ذریعہ سے صفائی کیسے کروں گا! ایسی صورت میں تو صفائی کرنے کے بجائے مزید گندا کر دوں گا۔ اس لئے ہونا یہ چاہیئے کہ جب تک اپنی اصلاح نہ ہو تب تک آپ دوسروں کے بجائے اپنی اصلاح پر ہی توجہ دیں۔ خانقاہیں اسی مقصد کے لئے تھیں کہ اس میں انسان کی اپنی اصلاح ہو، پھر جب باہر جائیں تو دوسروں کی اصلاح ہو۔ باہر جانے سے پہلے اتنا انتظام اپنے پاس موجود ہو کہ اگر کچھ گند لگ جائے تو فوراً دوبارہ سے واپس آئے اور اپنے آپ کو صاف کرے۔

یہی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جب میوات گشت کے لئے جاتا ہوں تو اپنے ساتھ صلحاء کی جماعت کو لے جاتا ہوں۔ اس کے باوجود میرے دل پہ اثر ہو جاتا ہے۔ اس اثر کو مٹانے کے لئے میں سہارنپور شریف جاتا ہوں، (وہاں پر اپنی خانقاہ تھی) یا پھر رائے پور شریف جاتا ہوں، (وہاں شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ تھی) اور یا پھر مسجد میں اعتکاف کرتا ہوں۔ یہ خلوت ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنی اصلاح، اپنا خیال اور اپنی حفاظت، بہت بڑی بات ہے۔ انسان کو یہ بات خیال میں رکھنا چاہیئے ورنہ، نہ اپنی صلاح ہوگی نہ دوسروں کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مقاماتِ قطبیہ ومقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" سے تعلیم چل رہی ہے۔ آج ان شاء اللہ اس کا ساتواں باب شروع کر رہے ہیں، جو حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مقامات کے بارے میں ہے۔ فرماتے ہیں:

متن:

ساتواں باب

حضرت صاحب کے متفرق حالات و مقامات اور انفاس کے بیان میں:

ہمارے حضرت صاحب بہت زیادہ معلومات اور دسترس رکھتے تھے اور انفاس کے حالات میں بہت زیادہ درک اور کافی زیادہ اور عمیق معلومات ان کو حاصل تھیں، کوئی بھی چیز اُن سے مخفی و مستور نہیں ہوتی تھی۔ علمِ توحید اور علمِ شریعت کے بعد کوئی علم، علمِ سلوک سے بڑھ کر شریف نہیں۔ علم حاصل کرنے اور تعلیم دلانے کے بعد کوئی فن بھی فنِ ریاضت سے اشرف و افضل نہیں، ہاں یہ بات یاد رہے کہ علمِ سلوک ایک ایسی مفید چیز ہے جو کہ جہالت کے صحرا میں گرے پڑے لوگوں کو اپنے دینی مقصد تک پہنچاتی ہے اور ریاضت ایک ایسا عمل ہے جو کہ ضلالت و گمراہی کے بیابان اور لق و دق صحرا کے گم کردہ راہوں کو یقین کی منزل تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ علمِ سلوک کی اصطلاحات میں سے ایک کو "حال" کہتے ہیں اور "اَلْحَالُ مَا یَرِدُ عَلَی الْقَلْبِ مِنْ طَرَبٍ أَوْ حُزْنٍ أَوْ بَسْطٍ أَوْ قَبْضٍ وَّالْحَالُ سُمِّیَ حَالًا لِّتَحَوُّلِهٖ مِنْ حَالٍ إِلٰی حَالٍ" "اور حال وہ ہوتا ہے جو کہ دل کو ایک حالت یعنی خوشی، غم، بسط اور قبض سے دوسری جانب لے جاتا ہے، اور حال کو حال اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تحوّل یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانے کا عمل ہوتا ہے"۔

ریاضت کے میدان کے شہسوار کہتے ہیں کہ ایمان، توبہ، زہد اور دائمی عبادت

گزاری کے گھوڑے پر سوار ہو کر تمام احوال و مقامات کو فتح کرے۔ اور ان چار چیزوں کی امداد کے بغیر مندرجہ بالا چار چیزوں پر فتح حاصل نہیں کی جا سکتی اور وہ چار چیزیں یہ ہیں: "وَهِيَ قِلَّةُ الْكَلَامِ وَقِلَّةُ الطَّعَامِ وَقِلَّةُ الْمَنَامِ وَالْاِعْتِزَالُ عَنِ النَّاسِ" یعنی کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور لوگوں سے کنارہ کش رہنا۔ اب یہ بات یاد رکھو کہ سلوک میں ایک کو صاحبِ وقت کہتے ہیں اور ایک کو صاحبِ احوال کہتے ہیں اور ایک کو صاحبِ انفاس کہتے ہیں۔ صاحبِ وقت مبتدی ہوتا ہے اور صاحبِ انفاس منتہی اور صاحبِ احوال اِن دونوں کے درمیانی درجے پر فائز ہوتا ہے۔ اور احوال متناہی نہیں ہوا کرتے، یعنی اِن کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، کیونکہ احوال اللہ تعالیٰ کے عطیہ اور مواہب میں سے ہوتے ہیں اور مواہبِ الٰہی کی انتہا نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ احوال غیبی عطیہ اور مواہب ہوتے ہیں اور عالمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کی تشریح، توضیح اور بیان ذوقِ قلم سے ادا نہیں کی جا سکتی۔ "قِيْلَ: اَلْمَقَامَاتُ مِنَ الْمَكَاسِبِ وَالْأَحْوَالُ مِنَ الْمَوَاهِبِ" "اہلِ علم کہتے ہیں کہ مقامات کا حصول کسب و عمل سے تعلق رکھتا ہے اور احوال کا انحصار اللہ تعالیٰ کی دَین (عطا) ہے"۔

اِیں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ
قطعہ کین سلامت نشان بے عیبی است
حالِ حاصل زکسب نتواں کرد
حالِ خوش از مواہب غیبی ست

(مصرعۂ چہارم درج نہیں)

مختصر یہ کہ حال، کسب و عمل سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہ مواہبِ غیبی اور فیضِ الٰہی میں سے ہوتا ہے۔ یہ بات جاننی چاہئے ہے کہ اس علم کی اصطلاحوں میں سے ایک "وجد" ہے، اور وجد کی تعریف علمائے سلوک یہ کرتے ہیں کہ "اَلْوَجْدُ مَا يَرِدُ عَلَى الْقَلْبِ بِلَا تَكَلُّفٍ" یعنی جو وجدانی طور پر بغیر کسی تکلف اور آورد کے دِل پر چھا جائے۔

تشریح:

الحمد للہ! بہت اعلیٰ بات شروع ہوئی ہے۔ اس میں ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت کچھ ملے گا۔ حضرت کو اللہ جل شانہ نے ان چیزوں میں بڑا درک عطا فرمایا تھا اور حضرت کی تربیت چونکہ اویسی ترتیب سے ہوئی تھی، اور بعد میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا تھا، اس وجہ سے حضرت کے گھر کا معاملہ تھا اور حضرت پیدائشی طور پر ولی اللہ تھے۔ جب انسان پیدائشی طور پر ولی اللہ ہو، تو اس کا حاصل کرنے کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے، کیونکہ عام لوگ تو پہلے اُس مقام تک پہنچتے ہیں کہ وہ سمجھنا شروع کرتے ہیں، پھر اس کے بعد سمجھتے رہتے ہیں۔ اور جن کو اللہ پاک نے پہلے ہی سے ایسا بنایا ہو، تو ان کا حال کیا ہو گا؟ اس وجہ سے کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان چیزوں میں درک بہت زیادہ تھا، اور بہت ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان پر وہبی طور پر کھولی ہوئی تھیں، اور بہت ساری باتیں جو حضرت کو نظر آ رہی تھیں، وہ لوگوں کو کتابوں میں ملنا دشوار تھیں۔ اس وجہ سے ان شاء اللہ حضرت کی ان معلومات سے اور ان کے حالات سے بہت فائدہ ہو گا۔

متن:

اور انفاس کے حالات میں بہت زیادہ درک اور کافی زیادہ اور عمیق معلومات ان کو حاصل تھیں، کوئی بھی چیز اُن سے مخفی و مستور نہیں ہوتی تھی۔ علمِ توحید اور علمِ شریعت کے بعد کوئی بھی علم، علمِ سلوک سے بڑھ کر شریف نہیں۔

تشریح:

علمِ توحید عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے، اور علمِ شریعت اعمال سے تعلق رکھتا ہے، اور علمِ سلوک احوال سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ تینوں بتدریج اس طریقے سے افضل ہیں۔ کیونکہ عقیدہ بنیادی چیز ہے، اگر خدانخواستہ عقیدہ صحیح نہ ہو، تو پھر کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ پھر چاہے کتنے ہی اعمال کئے ہیں، سارے کے سارے ضائع ہو جائیں گے۔ اور جب عقیدہ صحیح ہو، تو پھر اعمال کی باری آتی ہے۔ اگر عمل ہی نہ ہو، تو اس میں کیفیت کیا ہو گی! گویا عمل ظرف ہے اور کیفیت اس کے اندر مظروف ہے۔

جب ظرف نہیں ہو گا، تو مظروف کیسے آئے گا؟ لیکن اگر کوئی صرف عقیدہ پہ رہ گیا، تو وہ بھی خسارے میں ہے، کیونکہ تکمیل نہیں ہوئی، اعمال حاصل نہیں ہوئے۔ اگر اعمال حاصل ہوں، لیکن ان کی تکمیل نہ ہو، یعنی ان میں حال کا درجہ حاصل نہ ہو تو پھر بھی تکمیل نہیں ہوئی، ان کے اندر جان نہیں ہو گی۔ مثلاً: ایک شخص مسلمان ہے، الحمد للہ! ایمان رکھتا ہے، عقیدے اس کے صحیح ہیں، لیکن نماز نہیں پڑھتا، تو وہ گناہ گار ہے۔ نماز پڑھے گا، تو اس گناہ سے بچے گا۔ اس طرح نماز کے علاوہ جو فرائض ہیں، ان کو بھی پورا کرے گا۔ لیکن ایک اور شخص ہے، جس کا عقیدہ بھی صحیح ہے، مومن ہے، نماز بھی پڑھتا ہے، لیکن اس کی نماز کے اندر جان نہیں ہے، مثلاً: خشوع و خضوع نہیں ہے، عاجزی نہیں ہے، ریا پائی جاتی ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کی نماز وہ درجہ نہیں پا سکتی جو درجہ مقصود ہے۔ اس کے لئے اس کو کچھ اور محنت کرنی پڑے گی اور اس کے اندر جان پیدا کرنی پڑے گی۔ پہلا علم یعنی علمِ توحید عقیدے کا علم ہے، یہ سب سے زیادہ ضروری ہے، لیکن اس پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد دوسرا علمِ شریعت ہے، یہ اس کے بعد ضروری ہے؛ کیونکہ اعمال بنیاد ہیں۔ اگر یہ ہی حاصل نہیں، تو انسان احوال حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایمان کے بعد اعمال زیادہ اہم ہیں۔ لیکن یہ بھی کافی نہیں ہیں۔ اور آخری یعنی احوال، اگر وہ صحیح حاصل ہو جائیں، صحیح کیفیت حاصل ہو جائے، صحیح پہچان آ جائے، تو پھر ما شاء اللہ اعمال کی قیمت بڑھے گی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی دو رکعت کی نماز غیر عارف کی لاکھوں رکعتوں سے افضل ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ جو دو رکعت نماز پڑھتا ہے، اس کے اندر جن جن چیزوں کی رعایت رکھتا ہے اور اپنے احوال کی حفاظت کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ بہت بڑی عبادت بن جاتی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، تو وقت کے ساتھ نماز تو پڑھ لیتا ہے، بے نمازی نہیں کہلائے گا، لیکن اس کی نماز کی قیمت وہ نہیں ہو گی جو ہونی چاہئے۔ اس وجہ سے ان تینوں چیزوں کا حصول ضروری ہے۔ یہی حدیث شریف میں سوال اور جواب کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: "مَا الْإِيْمَانُ، مَا الْإِسْلَامُ" اور "مَا الْإِحْسَانُ"؟ تو "مَا الْإِيْمَانُ" کے جواب میں آپ ﷺ نے عقائد بتا دیئے۔ "مَا الْإِسْلَامُ" کے جواب میں شریعت کے اعمال بتا دیئے اور "مَا الْإِحْسَانُ؟" کے جواب میں اس کی

کیفیت اور حال کے بارے میں بتا دیا کہ: ”أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ“۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر: 50)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو، تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے“۔

چنانچہ حضرت نے یہ جو فرمایا کہ علمِ توحید اور علمِ شریعت کے بعد کوئی بھی علم، علمِ سلوک سے بڑھ کر شریف نہیں؛ کیونکہ علمِ توحید عقائد سے تعلق رکھتا ہے، علمِ شریعت اعمال سے تعلق رکھتا ہے اور علمِ سلوک احوال اور کیفیات سے تعلق رکھتا ہے، اعمال کے اندر جو جان ہے، اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا تینوں درجہ بدرجہ اپنے اپنے لحاظ سے اہم ہیں۔ ریاضی کا ایک قاعدہ ہے، جو اس بات کو ذرا آسانی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ necessary condition ہے، لیکن sufficient (کافی) نہیں ہے۔ اسی طرح آپ کا عقیدہ بہت necessary ہے، لیکن sufficient (کافی) نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد اعمال بھی بہت necessary ہیں، لیکن sufficient نہیں ہیں۔ اس کے بعد جب احوال بھی ٹھیک ہو جائیں، تو sufficient ہو جاتا ہے۔ گویا یہاں تک مسلسل سفر جاری رہے گا۔ عقیدہ بھی صحیح ہونا چاہئے، پھر اعمال بھی صحیح ہونے چاہئیں، اس کے بعد احوال بھی صحیح ہونے چاہئیں۔ اس لئے تینوں کے لئے تینوں چیزوں کا علم ضروری ہے۔ ایک علمِ توحید ہے، دوسرا علمِ شریعت اور تیسرا علمِ سلوک ہے۔

متن:

ہاں! یہ بات یاد رہے کہ علمِ سلوک ایک ایسی مفید چیز ہے جو کہ جہالت کے صحرا میں گرے پڑے لوگوں کو اپنے دینی مقصد تک پہنچاتی ہے۔

تشریح:

مثلاً: ایک جاہل شخص ہے، کسی چیز کو نہیں جانتا، اگر وہ علمِ سلوک سے بھی شروع کر لے، تو علمِ سلوک سے اس کے عقیدے بھی درست ہونا شروع ہو جائیں گے، اس کے اعمال بھی درست ہو جائیں گے، کیونکہ اس کو وقت کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت کا پتا چلتا رہے گا۔ یہ وہی بات ہے، جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بغیر

علم کے اگر صحبت حاصل ہو، تو وہ کافی ہو سکتی ہے اور علم کے ساتھ اگر صحبت حاصل نہیں ہے، تو وہ علم کافی نہیں ہو گا۔ یہ حضرت نے اس لئے فرمایا کہ بغیر علم کے جو شخص صحبت والا ہے، صحبت کے ذریعے سے اس کو پتا چلتا رہے گا، تو وہ پوچھ پوچھ کے چلے گا، لہٰذا اُس کا کام ہو گیا۔ لیکن جس شخص کو علم حاصل ہے، مگر اس کو صحبت حاصل نہیں ہے، تو وہ اپنے آپ کو عالم سمجھے گا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں سمجھے گا، اور اس کو اس کا پتا بھی نہیں چلے گا کہ حال کے درجہ میں کون سی چیز اس کے لئے کتنی ضروری ہے۔ تو وہ necessary حالات پہ تو رہے گا، لیکن sufficient پہ نہیں آئے گا۔ یہ اصل میں اس طرف اشارہ ہے۔

متن:

اور ریاضت ایک ایسا عمل ہے جو کہ ضلالت و گمراہی کے بیابان اور لق و دق صحرا کے گم کردہ راہوں کو یقین کی منزل تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔

تشریح:

ریاضت، مشقت اور مجاہدہ، یہ ساری چیزیں اگر صحیح نگرانی میں ہوں، اور جو صحیح مشائخ کے ساتھ ہو، تو اس کو یہ چیزیں واقعتاً یقین کے درجہ تک پہنچاتی ہیں اور انسان کو ان تمام منازل تک پہنچا دیتی ہیں۔

متن:

علمِ سلوک کی اصطلاحات میں سے ایک کو "حال" کہتے ہیں اور "اَلْحَالُ مَا يَرِدُ عَلَى الْقَلْبِ مِنْ طَرَبٍ أَوْ حُزْنٍ أَوْ بَسْطٍ أَوْ قَبْضٍ وَّالْحَالُ سُمِّيَ حَالًا لِّتَحَوُّلِهٖ مِنْ حَالٍ إِلٰى حَالٍ ""اور حال وہ ہوتا ہے جو کہ دل کو ایک حالت یعنی خوشی، غم، بسط اور قبض سے دوسری جانب لے جاتا ہے، اور حال کو حال اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تحوّل یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانے کا عمل ہوتا ہے"۔

تشریح:

حال اصل میں مسلسل ترقی کی ایک صورت ہے، جس کو حال حاصل نہیں ہوتا، اس کی ترقی نہیں ہو رہی ہوتی۔ کیونکہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں جانے کے لئے

حال ضروری ہے۔ لہٰذا جب اس کو وہ حال حاصل نہیں ہو گا، تو وہ ادھر سے جائے گا ہی نہیں۔ حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کیونکہ مقامات مکاسَب ہیں اور احوال مواہب ہیں۔ اللہ جل شانہ کا تربیت کا جو نظام ہے، اس میں احوال طاری ہوتے رہتے ہیں، احوال آتے رہتے ہیں۔ البتہ احوال کا ادراک، احوال کی قدر اور احوال کا صحیح استعمال، یہ صحبت پر منحصر ہے۔ اگر کسی کو صحبتِ صالح حاصل ہو، تو وہ ان چیزوں سے حاصل کرتا رہتا ہے، ورنہ یہ چیزیں ضائع بھی ہو سکتی ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ نازک مہمان ہے، اگر اس کی کوئی قدر نہ کرے، تو یہ روٹھ بھی جاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ صاحبِ حال ہر ایک کے ساتھ نہ رہے، بلکہ سمجھ دار لوگوں کے ساتھ رہے۔ کیونکہ اگر وہ سمجھ داروں کے ساتھ نہیں ہو گا، تو جب اس کو کوئی حال آئے گا اور اس کے ساتھی حال کا ادب نہیں کریں گے، تو اس سے نقصان بھی ہو سکتا ہے اور وہ حال جا سکتا ہے۔ لہٰذا صاحبِ حال لوگوں کے ساتھیوں کو بھی سمجھ داری کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ اس کا خیال رکھ سکیں اور اس کو ضائع نہ کریں۔

میں آپ کو اپنا واقعہ بتاتا ہوں، جو میرے ساتھ ہوا ہے۔ جب میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں فوراً عطا فرمائی تھیں، وہ نعمتیں تھیں، مجھ سے قدر نہیں ہو سکی۔ ایک نعمت یہ تھی کہ مجھے میوزک سے سخت نفرت ہو گئی۔ میوزک سنتے ہی میرے سر میں درد ہو جاتا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی۔ اس حد تک پریشانی تھی کہ میں حضرت سے کہنے پہ مجبور ہوا کہ حضرت میں بسوں میں جاتا ہوں، وہاں موسیقی ہوتی ہے، تو میرے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ حضرت نے اس کے لئے مجھے وظیفہ "یَا هَادِیْ یَا نُوْرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" بتایا کہ آپ یہ وظیفہ کر لیا کرو۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں کسی کے ساتھ گلے نہیں لگ سکتا تھا۔ سخت repeltion ہوتی تھی۔ یہ بھی عجیب و غریب بات تھی۔ مجھے اس کو بیان کرنے کا تو حوصلہ نہیں اور نہ میں بیان کر سکتا ہوں، لیکن بس کچھ ہوتا تھا۔ کسی کے ساتھ گلے ملتا تھا، تو پریشانی ہوتی تھی۔

در اصل انسان بغیر پوچھے جو کام کرتا ہے، تو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی

جگہ میں نے پڑھا تھا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی خلیفہ نے دربان مقرر کیا، تو حضرت نے پوچھا: کیوں دربان مقرر کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ہر کس و ناکس سے ملنے سے دل کا نور جاتا رہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: کس نار کو نور سمجھے ہو؟ کیونکہ وہ تکبر اور عجب کے ذیل میں آنے والی چیز تھی، اس لئے انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ میں نے سوچا کہ شاید مجھے بھی ایسا کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے ہر شخص کے ساتھ قصداً ملنا شروع کر دیا، تاکہ اس بات کی پروانہ کروں۔ اس سے وہ چیز ختم ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے مسرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) سے ذکر کیا۔ فرمایا: تم نے حضرت سے پوچھا تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے فرمایا: خدا کے بندے! ایک اعلیٰ حال تجھے حاصل ہو گیا تھا، تم نے پوچھا نہیں، جس سے حال ضائع ہو گیا۔ شیخ کس لئے ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ غلطی تو ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ نقصان تو ہو گیا، لیکن کم از کم یہ سبق تو مل گیا کہ بغیر پوچھے کچھ نہیں کرنا چاہئے۔ شیخ سے پوچھ پوچھ کے چلنا چاہئے۔ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ جب شیخ ہو، تو ان کے ساتھ چلنا چاہیے۔ بہر حال! حال وہبی چیز ہے، وہبی طور پہ حاصل ہو گیا اور وہبی طور پہ چلا بھی گیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت لوگ دعاؤں میں روتے ہیں، ذکر میں ان پہ حال طاری ہوتا ہے، روتے ہیں۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوتا۔ حضرت نے فرمایا: میاں رشید! یہ آنی جانی چیزیں ہیں، کوئی ضروری چیزیں نہیں ہیں۔ کبھی کبھی ایسا حال ہو بھی جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ ذکر اور دعا کے دوران رونے سے حضرت کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں، اور اس سے تکلیف ہو گئی۔ پھر حضرت کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت! میری تو پسلیاں ٹوٹنے لگی ہیں۔ فرمایا: یہ آنی جانی چیزیں ہیں، کبھی ختم بھی ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد ختم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر سوچا کہ وہ تو بڑی اعلیٰ چیز تھی، میری نادانی کی وجہ سے چلی گئی۔ پھر حضرت سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا: کیا کرتے ہو؟ میاں رشید! پھر پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی، چھوڑو۔ لہٰذا حال وہبی ہوتا ہے، اس کو انسان اپنی مرضی سے نہیں طاری کر سکتا۔ لیکن جب طاری ہو، تو پھر اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گیم نہ کریں۔ پوچھ پوچھ کے چلیں، تو فائدہ ہو گا۔ آگے فرمایا:

متن:

ریاضت کے میدان کے شہسوار کہتے ہیں کہ ایمان، توبہ، زہد اور دائمی عبادت گزاری کے گھوڑے پر سوار ہو کر تمام احوال و مقامات کو فتح کرے۔ اور ان چار چیزوں کی امداد کے بغیر مندرجہ بالا چار چیزوں پر فتح حاصل نہیں کی جا سکتی اور وہ چار چیزیں یہ ہیں: "وَهِيَ قِلَّةُ الْكَلَامِ وَقِلَّةُ الطَّعَامِ وَقِلَّةُ الْمَنَامِ وَالْاِعْتِزَالُ عَنِ النَّاسِ" یعنی کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور لوگوں سے کنارہ کش رہنا۔

تشریح:

یعنی ان چار چیزوں کے بغیر یہ چیزیں نہیں ہو سکتیں۔ حضرت نے تو بالکل صاف صاف یہ بات فرما دی ہے۔ آگے فرمایا:

متن:

اب یہ بات یاد رکھو کہ سلوک میں ایک کو صاحبِ وقت کہتے ہیں اور ایک کو صاحبِ احوال کہتے ہیں اور ایک کو صاحبِ انفاس کہتے ہیں۔ صاحبِ وقت مبتدی ہوتا ہے۔ (یعنی جس پہ حال طاری کر دیا جائے، وہ مبتدی ہوتا ہے) اور صاحبِ انفاس منتہی ہوتا ہے۔ (یعنی وہ غالبُ الاحوال ہوتا ہے۔) اور صاحبِ احوال اِن دونوں کے درمیانی درجے پر فائز ہوتا ہے۔ (کبھی کیسے اور کبھی کیسے) اور احوال متناہی نہیں ہوا کرتے، یعنی اِن کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، کیونکہ احوال اللہ تعالیٰ کے عطیہ اور مواہب میں سے ہوتے ہیں اور مواہبِ الٰہی کی انتہا نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ احوال غیبی عطیہ اور مواہب ہوتے ہیں اور عالمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کی تشریح، توضیح اور بیان ذوقِ قلم سے ادا نہیں کی جاسکتی۔ "قِيْلَ: اَلْمَقَامَاتُ مِنَ الْمَكَاسِبِ وَالْأَحْوَالُ مِنَ الْمَوَاهِبِ" "اہلِ علم کہتے ہیں کہ مقامات کا حصول کسب و عمل سے تعلق رکھتا ہے اور احوال کا انحصار اللہ تعالیٰ کی دین پر ہے":

اِیں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قطعہ کین سلامت نشان بے عیبی است
حالِ حاصل زکسب نتواں کرد
حالِ خوش از مواہب غیبی ست
(مصرعۂ چہارم درج نہیں)

مختصر یہ کہ حال کسب و عمل سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہ مواہبِ غیبی اور فیضِ الٰہی میں سے ہوتا ہے۔

یہ بات جاننی چاہیے کہ اس علم کی اصطلاحوں میں سے ایک "وجد" ہے، اور وجد کی تعریف علمائے سلوک یہ کرتے ہیں کہ "اَلْوَجْدُ مَا یَرِدُ عَلَی الْقَلْبِ بِلَا تَکَلُّفٍ" یعنی جو وجدانی طور پر بغیر کسی تکلف اور آورد کے دِل پر چھا جائے۔ اور اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ "اَلْوَجْدُ تَرَقِّی الْقَلْبِ لَا یَطَّلِعُ عَلَیْہِ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی" یعنی وجد دِل کی وہ حالت ہوتی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو کوئی آگاہی حاصل نہیں ہوتی اور بعض کہتے ہیں کہ "اَلْوَجْدُ وَارِدُ الْحَقِّ إِذَا جَاءَ تَضْطَرِبُ الْقُلُوْبُ إِلَی الْحَقِّ" یعنی وجد حق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی جانب سے وارد ہوتا ہے اور جب یہ ورود کرتا ہے، تو دل اللہ تعالیٰ کی جانب بے چین ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک صاحبِ حال شخص یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک مجلس میں حاضر ہوا، اس مجلس کی باتوں سے اس پر وجد طاری ہوا اور سخت اضطراری حالت سے دو چار ہوا۔ "فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ: مَا ھٰذَا؟ فَقَالَ: کَلَامُ الرَّبَّانِیَّةِ ھَیَّجَ فِیْ أَسْرَارِ الْوَحْدَانِیَّةِ فَانْمَحَتْ صِفَاتُ الْإِنْسَانِیَّةِ وظَهَرَتْ أَحْكَامُ الرَّبَّانِیَّةِ" "تو اس سے ایک شخص نے کہا کہ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس نے وحدانیت کے اسرار میں ہیجان پیدا کیا، پس انسانی صفات مٹ گئیں اور ربانی احکام ظاہر ہو گئے"

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "اَلْوَجْدُ أَوَّلُہٗ حُلْوٌ وَّأَوْسَطُہٗ مُرٌّ وَّآخِرُہٗ سَقَمٌ" یعنی وجد کی ابتدا میں مٹھاس، وسط میں تلخی اور آخر میں بیماری ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اس علم کی اصطلاحات میں سے ایک "تواجد" ہے: "وَالتَّوَاجُدُ اسْتِدْعَاءُ الْوَاجِدِ عَنْ نَفْسِہٖ وَلَیْسَ لِصَاحِبِ التَّوَاجُدِ کَمَالُ الْوَجْدِ" یعنی تواجد اپنے

نفس سے وجد کرنے کی استدعا کرنی ہے (یعنی آمد نہیں، آورد ہے) اور صاحبِ تواجد کو وجد کا کمال حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں! تواجد بابِ تفاعل سے ہے اور اسی بابِ تفاعل میں ایسی صفت کا اظہار ہوا کرتا ہے، جو کہ وہ صفت اس کے صاحب میں نہیں ہوتی، جیسا کہ تمارض (اپنے آپ کو بہانہ سازی سے مریض بنانا) یا تجاہل (جان بوجھ کر جاہل بننا)۔

تشریح:

یعنی تواجد میں ایک چیز حاصل نہیں ہوتی، لیکن اس چیز کو pose کیا جاتا ہے۔ اس چیز کو دکھایا جاتا ہے کہ جیسے مجھے بھی یہ چیز حاصل ہے۔

ایک بہت بڑی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ وہ ہے بزرگی کی بیماری۔ یہ بیماری جس کو لاحق ہو جائے، وہ تواجد کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ پھر اپنے آپ کو ایسا دکھاتا ہے، جیسے اس کو کوئی حال حاصل ہے، لیکن اس کو وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں تصنع پایا جاتا ہے۔ اس کی باتوں میں بھی تصنع اور ملنے جلنے میں بھی تصنع ہوتا ہے۔ اس طرح حال اور وجد کی کیفیت بھی اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ کہتے ہیں: ایک صاحب کسی بیماری میں مبتلا تھے، اپنے چھوٹے بیٹے کو اپنے ساتھ کسی دعوت میں لے گئے تھے، وہاں اس نے بہت کم کھایا اور نماز بڑی لمبی پڑھی۔ جب گھر آیا، تو گھر والوں سے کہا کہ کھانا دے دو۔ بچے نے کہا کہ آپ نے وہاں کھانا کھا لیا تھا۔ اس نے کہا: وہاں میں نے تھوڑا کھایا تھا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ زیادہ کھاتا ہے۔ بچے نے کہا کہ نماز بھی پھر دوبارہ پڑھ لیں، کیونکہ آپ نے لوگوں کے لئے لمبی نماز پڑھی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ بزرگی کی جو بیماری ہے، یعنی لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو بزرگ ظاہر کرنا، اس میں تواجد یا اس قسم کی چیزیں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ یہ بہت خطرناک بیماری ہے۔ انسان کو محروم کرا دیتی ہے۔ لہذا کبھی بھی اس قسم کی وجدانی کیفیت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے، جو اس کو حاصل نہ ہو۔ بس عام لوگوں کی طرح رہے، قدرتی زندگی اختیار کرے، اسی میں آسانی ہے، اسی میں فائدہ ہے۔ ناجائز نہ کرے۔ یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو کھلا چھوڑ دے اور ناجائز کرنا شروع کر دے کہ گناہ چھوڑنے کو میرا دل نہیں کرتا، لہذا میں نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اس میں وہاں تکلف ہے، گناہ سے بچنا تکلفاً ہے، اس میں مجاہدہ

ہے، مجاہدہ کا اجر ملتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ گناہ تو نہیں کرنا، لیکن کوئی ایسی چیز جو حاصل نہیں ہے، اس کو حاصل دکھانا، یہ بھی جرم ہے، اس کو نہیں کرنا چاہئے۔

متن:

وجد اُس حال کو کہتے ہیں جو کہ بلا تکلف اور بے ساختہ اس صاحبِ حال سے صادر ہو جائے، اور تواجد اُس حال کو کہتے ہیں جو کہ اُس کے صاحب سے تصنّع اور تکلف سے ظاہر ہو، اِس حال اور اُس حال میں بہت بڑا فرق ہے۔ "لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنِ كَالْكُحْلِ" "آنکھ میں سُرمہ لگانا، سرمے جیسا تو نہیں ہوتا" اور فقر ایک مذہب ہے اور جس کسی میں اس کی صفاتِ حسنہ ہوں، تو اُن صفاتِ حسنہ کا ظاہر کرنا فقر کے مذہب میں جائز نہیں۔ اور جس میں صفاتِ حسنہ نہ ہوں، تو ان کا اظہار کرنا کہاں جائز ہو گا؟

تشریح:

کیا عجیب بات فرمائی ہے، ایک فِقرے میں بہت کچھ بتا دیا۔ ذرا اچھی طرح سن لیں: "فقر ایک مذہب ہے اور جس کسی میں اس کی صفاتِ حسنہ ہوں تو اُن صفاتِ حسنہ کا ظاہر کرنا فقر کے مذہب میں جائز نہیں"۔

یعنی جو حقیقتاً حاصل ہے، اس کو بھی ظاہر کرنا جائز نہیں، اخفا اچھا ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ظاہر کر دے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہے، لہٰذا انسان خود ظاہر نہیں کرتا، لیکن لوگ اس کو ظاہر کر دیتے ہیں، اس کا کوئی حال ظاہر کر دیتا ہے یعنی ایسا عمل ہو جاتا ہے کہ جس سے وہ ظاہر ہو جاتا ہے، لیکن اس میں اس کا ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ وہ چھپانا چاہتا ہے، لیکن وہ چھپتا نہیں ہے۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

لہٰذا اگر اس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہے، تو کون اس کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتا ہے۔ لیکن وہ خود اپنے طور پر نہیں کرتا (اور جس میں صفاتِ حسنہ نہ ہوں، تو ان کا اظہار کرنا کہاں جائز ہو گا؟)

یعنی جو حاصل ہے، جب اس کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے، چھپانا بہتر ہے، تو جس کو

حاصل نہیں ہے، اگر وہ ظاہر کرے تو یہ دھوکہ کے قبیل سے ہے۔

متن:

بعض درویشوں کو ملامتی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا طائفہ ہوتا ہے کہ نہ تو یہ اپنی نیکی عمل میں لا سکتے ہیں اور نہ اپنی برائیوں کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یہ ضروری بات بھی جاننی چاہئے کہ اس علم کی اصطلاحات میں سے قبض و بسط ہیں: "وَھُمَا حَالَانِ یُشْبِھَانِ الْخَوْفَ وَالرَّجَاءَ" "اور یہ دونوں یعنی قبض و بسط، خوف اور امید کے مشابہ ہیں" منتہی کے لئے قبض و بسط ایسے ہوتے ہیں جیسے کہ مبتدی کے لئے خوف و رجا ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض کہتے ہیں کہ قبض و بسط خوف و رجاء سے بلند تر ہوتے ہیں، لیکن بعض کہتے ہیں کہ "اَلْقَبْضُ یَتَوَلَّدُ مِنَ الْخَوْفِ وَالْبَسْطُ یَتَوَلَّدُ مِنَ الرَّجَاءِ" یعنی قبض خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور بسط امید و رجا کے سہارے ظہور میں آتا ہے۔

تشریح:

قبض کہتے ہیں: رکنے کو، جیسے کوئی چیز روک دی جاتی ہے۔ اور بسط کہتے ہیں: کُھلنے کو، جس میں کوئی چیز کھول دی جاتی ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی اچھے عمل کے لئے وجدانی طور پر دل کا خود متوجہ نہ ہونا، قبض کی حالت ہے۔ اس حالت میں انسان اپنے آپ کو بہت مردود حالت میں پاتا ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ میں مردود ہو گیا ہوں، حالانکہ یہ ایک غیر اختیاری چیز ہوتی ہے، وہ مردود نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ قبض جس پہ بھی طاری ہو، تو چونکہ قبض کی value ہر ایک کی ایک جیسی نہیں ہوتی، اور اسی طرح اس قبض کا اثر بھی ہر ایک پر ایک جیسا نہیں ہوتا۔ مثلاً: ایک شخص کو کسی کے ساتھ بڑی محبت ہے، اس محبت کی وجہ سے وہ کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ اس سے کوئی ایسا کام سرزد ہو، جس سے وہ ناراض ہو سکتا ہو، تو چونکہ شدید محبت ہے، لہٰذا معمولی سی غلط فہمی سے بھی بعض لوگ جان پر کھیل جاتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا۔ ان کی شان میں ایسا کیوں ہوا۔ یہ اس محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی دوسرا آدمی ہو، جس کو محبت نہیں ہے، تو وہ اس کی پروا ہی نہ کرے۔ اس کے لئے ایک عام سی بات ہو گی۔ لہٰذا قبض اور بسط بابِ محبت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی جس کو اللہ کے ساتھ شدید محبت ہوتی ہے، تو جب اللہ تعالیٰ اس کے لئے تھوڑے سے بھی دروازے بند کرتا ہے، تو

اس کو بھی اپنی طرف سے سمجھنے لگتا ہے کہ یہ میری وجہ سے ہوا ہے۔ لہٰذا وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ اگر اس کو اللہ کی طرف سے ابتدا ہی سے مان لے، تو صابر رہے گا، پھر اس کو کچھ نہیں ہو گا۔ کہے گا کہ بس من جانب اللہ ہے۔ اگرچہ میرا دل نہیں چاہ رہا، مگر میں نے کرنا ہے۔ اگرچہ مسئلہ کوئی نہیں ہو گا، لیکن اس کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو وہ اپنی طرف سے سمجھتا ہے۔ اپنی طرف سے سمجھنے کی وجہ سے اس پر شدید اثر ہوتا ہے، جس کو وہ برداشت نہیں کر پاتا۔ بعض لوگوں پر اتنا شدید اثر ہوتا ہے کہ وہ خودکشی تک کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ان پہ بہت شدید قبض طاری ہو گیا تھا۔ اس وقت حضرت کی حالت یہ تھی کہ فرماتے ہیں: بس دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کوئی بندوق ہو، تو اپنے سر پہ رکھ کر اپنی جان کو اپنے ناپاک وجود سے پاک کر دوں۔ لیکن بس شریعت کا حکم یاد آتا تھا کہ نہیں! یہ مردار موت ہے۔ اپنے آپ کو اس سے بچانا چاہئے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب پتا چلا، تو حضرت بہت گھبرا گئے کہ میں دور ہوں اور وہ نوجوان آدمی ہے، حال کو برداشت نہیں کر سکا۔ مسلسل ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے۔ خط لکھا اور اس میں کچھ اس طرح لکھا کہ آپ کا بوجھ اٹھانے کے لئے میں موجود ہوں، آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اس سے حضرت کو تسلی ہو گئی۔ تاہم قبض کے اندر بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ یہ بزرگی کے خیال کو ختم کر دیتا ہے۔ کیونکہ بزرگی کا خیال بڑی خطرناک بیماری ہے۔ اور یہ زیادہ تر آتا بھی اسی لئے ہے کہ اگر کسی میں بزرگی کے کوئی جراثیم ہوں، تو وہ ان کو اس طرح دھو دیتا ہے کہ بالکل سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کہ وہ پھر اپنے آپ کو بزرگ مانے۔ پھر وہ اپنے آپ کو ایک ایسی حالت پر سمجھتا ہے کہ جیسے میں بارود کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں اور ابھی بم سے اڑ جاؤں گا اور میرا کچھ بھی نہیں بچے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حالت اب بھی مجھے یاد آتی ہے، تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حال تھا کہ حضرت فرماتے تھے کہ میں اپنے آپ کو بارود کے ڈھیر پر سمجھتا ہوں کہ پتا نہیں، کس وقت کون سی چیز اس کے لئے ذریعہ بن جائے اور ہر چیز اڑ جائے۔ اس وجہ سے قبض میں من جانب

اللہ ایک عطیہ ہوتا ہے۔ اتنی خطرناک بیماری کو دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔ جس پر جتنے شدید درجے کا قبض آتا ہے، اس کے بعد جب وہ دور ہوتا ہے، تو شدید درجہ کا بسط بھی ساتھ ہوتا ہے۔

ان کی جو مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اس میں مختلف احوال ظاہر ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے مختلف چیزیں نظر آتی ہیں۔

متن:

بعض کہتے ہیں کہ قبض رزق کی تنگی اور بسط اس کی فراخی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قبض دنیا داری اور بسط ترکِ دنیا ہے اور قبض و بسط ارادتِ غیبی کے طفیل ہوا کرتے ہیں۔ "لَا يَدْرِيْ صَاحِبُهَا عَنْهُمَا" "صاحبِ قبض و بسط ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا"۔

ہمارے حضرت صاحب کو علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کے متعلق پورا حصّہ اور کامل علم حاصل تھا۔ وہ اِن مقامات کے بارے میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ کیونکہ اِن سب مقامات کو طے کر چکے تھے اور اِن سب کو دیکھ چکے تھے اور اِن سے لطف اندوز ہوئے تھے۔ "فَعِلْمُ الْيَقِيْنِ مَا كَانَ مِنْ طَرِيْقِ النَّظْرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ وَعَيْنُ الْيَقِيْنِ مِنْ طَرِيْقِ النَّظْرِ وَالشُّكْرِ وَالنَّوَالِ وَحَقُّ الْيَقِيْنِ مَا كَانَ بِهٖ تَحْقِيْقُ الْاِنْفِصَالِ عَنْ لَوْثِ الصَّلْصَالِ۔ وَقِيْلَ: عِلْمُ الْيَقِيْنِ لِلْأَوْلِيَاءِ وَعَيْنُ الْيَقِيْنِ لِخَواصِّ الْأَوْلِيَاءِ وَحَقُّ الْيَقِيْنِ لِلْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ" "علم الیقین وہ ہوتا ہے، جو کہ نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین نظر، شکر اور عنایتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین کیچڑ اور مٹی سے جوہرِ اصلی کو جدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ علم الیقین اولیاء کے لئے، عین الیقین خواص اولیاء کے لئے اور حق الیقین انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوتا ہے"۔

اس کے علاوہ اس علم کی اصطلاحات میں سے محاضرہ، مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔ محاضرہ اربابِ تلوین اور اہلِ علم الیقین کا حق ہے، اور مکاشفہ اربابِ تلوین، اصحابِ تمکین اور اہلِ علم الیقین کے درمیان ایک امر ہے اور سالکوں کے لئے غیبت و حضور ہوا کرتے ہیں۔

تشریح:

بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت صاحب (یعنی کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کے متعلق علم حاصل تھا اور ان مقامات کے بارے میں دسترس رکھتے تھے، کیونکہ ان مقامات کو طے کر چکے تھے اور ان سب کو دیکھ چکے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ علم الیقین نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے یعنی تجزیے اور مشاہدات سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جتنے مشاہدات ہوں، ان کی بنیاد پر باقی چیزوں کو ثابت کرنا یا رد کرنا، استدلال ہے۔ کچھ مشاہدات ہوتے ہیں اور کچھ کو انسان استدلال کے ذریعے سے حاصل کر لیتا ہے۔ مثلاً: سورج کے اندر کیا ہے؟ کوئی سورج تک گیا نہیں ہے اور نہ جا سکتا ہے۔ سورج تک جانا تو بڑی مشکل بات ہے، زہرہٰ سیارہ جو سورج کی طرف زمین کا سب سے قریبی سیارہ ہے، اس پر جو راکٹ بھیجا گیا تھا، جیسے اس نے وہاں لینڈ کیا، تو چند سیکنڈوں میں ہی میسج آ گیا کہ میں پگھلنے والا ہوں، اور ختم ہو گیا۔ چنانچہ اتنا گرم ہے۔ زہرہٰ کی سطح تانبے کی طرح ہے۔ زہرہٰ سے آگے عطارد ہے اور عطارد سے آگے سورج ہے، تو وہاں کون جا سکتا ہے؟ لیکن استدلال کے ذریعے سے آپ کو فلکیات کی کتابوں میں سورج کی بڑی تفصیلات ملیں گی کہ اس میں یہ ہے، اس میں یہ فلاں ہے اور یہ فلاں ہے۔ اس میں کچھ مشاہدات ہیں اور کچھ استدلالات ہیں کہ نظر اور استدلال سے بعض چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ آگے فرمایا:

متن:

عین الیقین نظر، شکر اور عنایتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

تشریح:

یعنی اللہ تعالیٰ دکھا دیتا ہے۔ کیونکہ جب تک اللہ نہ دکھائے، انسان کیسے دیکھے گا؟ اور جتنا دیکھ سکتا ہے اس سے وہ پہلے والے مرحلے (stage) پہ تو آ گیا۔ اور جو دوسرا مرحلہ (stage) ہے کہ اللہ تعالیٰ مخفی چیزوں کو دکھا دے، وہ دو چیزوں پہ منحصر ہے۔ ایک یہ ہے کہ جتنا حاصل ہے، اس پہ شکر کرے۔ اور واقعتاً شکر بہت بڑی نعمت ہے،

اللہ تعالیٰ جس کو بھی نصیب فرمائے۔ جس میں بزرگی کا زعم ہوتا ہے، اس کو شکر کبھی نہیں نصیب ہوتا۔ وہ ہمیشہ کم سمجھتا ہے کہ مجھے تو بہت کم ملا ہے۔ یعنی اس کی حرص اس کو شکر نہیں کرنے دیتی، لہٰذا وہ آگے بڑھتا ہی نہیں۔ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم: 08) کا وعدہ شاکرین کے لئے ہے کہ جو شکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر نعمت کو بڑھا دیتے ہیں۔ جتنا حصہ اس نے دیکھا، اس پر اس نے شکر کیا، تو اس کی وجہ سے اللہ جل شانہ اس کو مزید عنایت فرما دیتے ہیں۔ شکر کے ساتھ عنایتِ الٰہی جڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا شکر کے ذریعے سے اور عنایتِ الٰہی سے دوسرا درجہ یعنی عین الیقین حاصل ہو سکتا ہے۔ آگے فرمایا:

متن:

اور حق الیقین کیچڑ اور مٹی سے جوہرِ اصلی کو جدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

تشریح:

یہ واقعی بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی طریقے سے کسی کو بھید کی ساری چیزیں دکھائیں گے تو پھر ہی ہو سکتا ہے۔ انبیاء کرام کے بارے میں تو ہے ہی، کیونکہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں، اس لئے ان کے دیکھنے کو دوسروں کی ہدایت کے لئے ذریعہ بناتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے نظر آتا ہے کہ تم جہنم میں گر رہے ہو اور میں تمہیں پکڑ پکڑ کے واپس کر رہا ہوں۔ لہٰذا آپ ﷺ کے لئے تو بالکل حق الیقین والی بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا مسکرانا بھی ایک مجاہدہ تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ ان حالات میں مسکرا کیسے سکتے تھے!! آپ ﷺ کو جو چیزیں نظر آتی تھیں، اس حالت میں کوئی کیسے ہنس سکتا ہے۔ جیسے: ڈاکٹر کو پتا ہوتا ہے کہ اس مریض کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور اس مریض کو پتا نہیں ہوتا۔ مریض بے غم ہوتا ہے اور ڈاکٹر فکر مند ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو تو پتا ہے کہ اس کے ساتھ اب کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا حق الیقین انبیاء کرام کا ہی حصہ ہوتا ہے، البتہ خاص اولیاء کو اس کے قریب قریب کر لیا جاتا ہے۔ جیسے "أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ" ہے۔ "كَأَنَّكَ تَرَاهُ" کی حالت اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور انبیاء کرام تو دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے: موسیٰ علیہ السلام نے

جو وحی کا حال دیکھا تھا، کوئی اور تو اس طرح نہیں کر سکتا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا تو دیکھا ہوا تھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو ہوا، آدم علیہ السلام کے ساتھ جو ہوا، اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو ہوا۔ چنانچہ ان سب حضرات نے یہ دیکھا ہوا تھا۔ لہٰذا انبیاء کرام کا معاملہ ذرا مختلف ہوتا ہے۔ آگے فرمایا:

متن:

اس کے علاوہ اس علم کی اصطلاحات میں سے محاضرہ، مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔ محاضرہ اربابِ تلوین اور اہلِ علم الیقین کا حق ہے۔

تشریح:

یعنی تلوین میں چیزیں بدلتی ہیں۔ تلوین میں انسان ایک حال پہ نہیں رہتا۔ اور تمکین میں ایک حال پہ آ جاتا ہے۔ میں نے اپنے کچھ احوال اپنے شیخ کو بتا دیئے، تو حضرت نے فرمایا کہ یہ حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اور تبدیل ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ اپنے وقت پر اخیر میں کسی اچھے حال پر رک جائیں گے۔ تلوین بھی ضروری ہے، کیونکہ ترقی اسی سے ہوتی ہے۔ لیکن تلوین منزل نہیں ہے۔ اس میں تو انسان ابھی سفر میں ہوتا ہے، ابھی وہ سیر الی اللہ میں ہے، جب وقت سیر الی اللہ مکمل ہو جائے، تو پھر تمکین کی حالت حاصل ہو سکتی ہے۔ آگے فرمایا:

متن:

محاضرہ اربابِ تلوین اور اہلِ علم الیقین کا حق ہے، اور مکاشفہ اربابِ تلوین، اصحابِ تمکین اور اہلِ علم الیقین کے درمیان ایک امر ہے اور سالکوں کے لئے غیبت و حضور ہوا کرتے ہیں۔

تشریح:

غیبت اور حضور کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی چیز سامنے آ گئی اور کبھی چھپ گئی۔

متن:

"اَلْغَيْبَةُ أَنْ يَّغِيْبَ الْقَلْبُ مِنْ أَحْوَالِ الدُّنْيَا وَالْحُضُوْرُ أَنْ يَّحْضُرَ بِأَحْوَالِ الْعُقْبٰی" "غیبت یہ ہے کہ احوالِ دنیا سے دل غائب ہو کر رہے اور دل سے احوالِ دنیا

غائب رہیں، اور حضور یہ ہے کہ دل میں احوالِ عقبیٰ حاضر رہیں" اور بعض کہتے ہیں کہ غیب سُکر کی منزل پر ہے اور حضور صُحو کے مشابہ ہے۔

تشریح:

یعنی غیب میں علم غیب ہو جاتا ہے، تو سکر کی حالت ہو جاتی ہے۔ تو اس کے پاس کسی بھی چیز کا علم نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اللہ کو دیکھنے کی وجہ سے باقی چیزیں غائب ہو گئیں۔ اب وہ چیزوں کو نہیں دیکھ رہا، اس لئے کہتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ یہی وحدۃ الوجود ہے۔ لہٰذا اس وقت اس کا یہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ باقی کی چیزیں نظر نہیں آ رہیں۔ اور یہ سکر کی حالت ہے۔ اُس وقت اس کی یہ حالت بری نہیں ہے، لیکن لوگوں کے لئے اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ اُس وقت وہ معذور ہے، اس کی کسی بات کو ہم معیار نہیں بنا سکتے، کیونکہ اس وقت بہت سی چیزیں اس سے چھپی ہوئی ہیں۔ البتہ اس وقت اس کو ایک ایسا فائدہ حاصل ہے کہ اس فائدے کو حاصل کئے بغیر بہت ساری چیزیں حاصل نہیں ہوتیں۔ وہ فائدہ یہ ہے کہ چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حضوری کی کیفیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ جس کی وجہ سے باقی چیزیں غائب ہو گئیں، اس لئے حضوری نہ ہونے کی وجہ سے جو مسائل تھے، وہ سارے کے سارے ختم ہو گئے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ دوبارہ واپس آنے کے ساتھ جو مسائل تھے، وہ ابھی نہیں آئے۔ لیکن حضوری نہ ہونے کی وجہ سے جو مسائل ہوتے ہیں، جیسے: انسان چیزوں سے متاثر ہوتا ہے، تو چونکہ حضوری حاصل نہیں ہوتی، اس لئے چیزوں سے متاثر ہوتا ہے۔ جب اس کو چیزیں نظر ہی نہیں آ رہیں، تو کیا متاثر ہو گا؟ اس لئے وہ ان چیزوں سے بچ گیا۔ لہٰذا تکبر اور عجب وغیرہ سب چیزیں ختم ہو گئیں۔ کیونکہ یہ چیزیں نظر آنے سے ہی یہ مسائل ہو سکتے ہیں کہ میں فلاں سے بڑا ہوں، میں فلاں سے بڑا ہوں۔ جب فلاں فلاں ختم ہو گیا اور خود اپنا آپ بھی نظر نہیں آ رہا، تو اب کوئی چیز بھی باقی نہیں رہ گئی۔ لہٰذا وحدۃ الوجود کی حالت میں یہ جو سکر کی حالت ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو بے ہوشی کا انجکشن لگایا جاتا ہے، تو وہ بہت ساری چیزوں کو محسوس نہیں کرتا، لیکن وہ موجود ہوتی ہیں۔ اس لئے اس میں آرام تو ہے، لیکن صحت نہیں ہے۔ لہٰذا جب اس کو شہود یعنی عالمِ صحو میں دوبارہ بھیجا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھنے کا

جو پرانا تعلق ہے، جس کا اس کو مشاہدہ ہو چکا ہے، اس مشاہدہ کی وجہ سے اس کی شہود کی کیفیت تو آ گئی۔ لیکن باقی چیزوں کا اس کو جو دوبارہ علم واپس آگیا ہے، اس کی وجہ سے اس کا فیصلہ مستند ہوتا ہے۔ اب وہ حالتِ صحو میں ہے اور صحیح فیصلے کر سکتا ہے۔ شریعت کو بھی جانتا ہے، شریعت پر عمل بھی جانتا ہے اور تمام کام اس طرح کرتا ہے، جس طریقے سے حکم ہے۔ ہر چیز کا خیال رکھتا ہے۔ پس یہی اصل مقصودی حالت ہے۔

متن:

حضرت صاحب کو محو و اثبات اور فنا و بقا میں کمال کا درجہ حاصل تھا اور اس میں کافی مہارت اور دسترس رکھتے تھے گویا کہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ایک عظیم سمندر تھے۔ محبت اور معرفت میں غایتِ استغراق کی کثرت کی وجہ سے اکثر مدہوش اور متحیّر رہا کرتے تھے، اور دم مارنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے اور "مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ" یعنی "جس کو معرفتِ الٰہی نصیب ہو جاتی ہے، تو اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے" کے مقامِ رفیع تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔

تشریح:

واقعتاً جن پر اللہ تعالیٰ جتنا کھولے اور پھر جو جتنا برداشت کر سکے، یہ اس پر منحصر ہے۔ اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ کھولتا ہی نہیں، تو اس کو کچھ بھی حاصل نہیں۔ مثلاً: تنکا چُلو بھر پانی میں بھی بہہ پڑتا ہے، نہیں ٹھہر سکتا، اور آبشار کے سامنے ہاتھی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اب اگر کوئی ہاتھی کو تنکا کہے کہ میں بھی بہہ رہا ہوں اور تُو بھی بہہ رہا ہے، کیا فرق ہے؟ اسی طرح واردات کا فرق ہے۔ کسی کے اوپر کتنا وارد ہوتا ہے اور کسی کے اوپر کتنا وارد ہوتا ہے، اس کے حساب سے دیکھا جائے گا کہ اس نے کتنی چیز کو روکا ہوا ہے، کتنی چیز کو برداشت کیا ہوا ہے۔ ہر شخص کا حال ایک جیسا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ جتنا کھولے اور وہ اس کو برداشت بھی کریں۔ سبحان اللہ! یہ بہت اونچا معیار ہے۔ شیخ عبد الحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا تھا کہ منصور بچہ تھا، جو ایک چُلّو میں مست ہو گیا، یہاں تو لوگ سمندر پی جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے۔ لہٰذا جن کے اوپر اللہ تعالیٰ جتنا کھولے اور پھر اس کو وہ برداشت بھی کریں، یہ بڑی بات ہے۔ جتنا کھولا ہوا ہے، اس کی وجہ سے وہ عالمِ تحیُّر میں ہے، اس کے لئے

حیرت کا مقام ہے، حیرت ہی حیرت ہے۔ اس کی حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ اسی لئے جب حیرت کی حالت میں ہو، تو اس وقت انسان بول نہیں سکتا۔ اس وقت رک جاتا ہے۔ خود اس کو بلوایا جاتا ہے کہ اب یہ کہو اور یہ کہو۔ جیسے بچے سے کروایا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ پھر اتنا بولتا ہے جتنا کہ بلوایا جاتا ہے۔

متن:

بیت؎

گر کسے وصف او از من پرسد

بے دل از بے نشان چہ گوید باز

"اگر کوئی شخص مجھ سے اس کی صفت بیان کرنے کا مطالبہ کرے، تو بھلا ایک بے دل آدمی ایک بے نشان چیز کے بارے کیا کہہ سکتا ہے"۔

آپ ہستی کے میدان سے نکل کر بقا و فنا کے میدان میں آرام فرما تھے اور حیرت کے ایک گوشے میں بیٹھ کر غیرِ حق کو فراموش کر چکے تھے۔ "فَمَعْنَى الْمَحْوِ رَفْعُ أَوْصَافِ الْعَادَةِ وَمَعْنَى الْإِثْبَاتِ إِقَامَةٌ وَّمَعْنَى الْبَقَاءِ أَحْكَامُ الْعِبَادَةِ" "محو کے معنٰی عادتی صفتوں کا زائل ہونا اور اثبات کے معنٰی اقامت ہیں، یعنی ثابت رہنا، اور بقا کے معنی عبادت کے احکام ہیں" اور پھر محو تین طرح کا ہوتا ہے: "مَحْوُ الذَّاتِ عَنِ الظَّوَاهِرِ وَمَحْوُ الْغَفْلَةِ عَنِ الضَّمَائِرِ وَمَحْوُ الْغَيْبَةِ عَنِ السَّرَائِرِ" یعنی ظاہری اشیاء و احکام سے ذات کا محو ہونا اور ضمائر سے غفلت

(حاشیہ: 1ۓ تلوین۔ گونا گون کرنا۔ رنگا رنگ بنانا۔ اور تصوف میں ایک مقام کا نام ہے)

کا محو ہونا اور اسرار و رموز سے غیبت کا محو ہونا۔ اور اسی طرح فنا "وَمَعْنَى الْفَنَاءِ سُقُوطُ أَوْصَافِ الْمَذْمُوْمَةِ وَالْغَفْلَةِ وَثُبُوْتُ أَوْصَافِ الْمَحْمُوْدَةِ" یعنی فنا کے معنٰی ہیں؛ بُری اور غفلت کی بد ترین عادتوں کا ساقط ہونا اور اوصافِ محمودہ کا ثابت، قائم اور برقرار ہونا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "اَلْفَنَاءُ صِفَةُ الْكَوْنِ وَالْبَقَاءُ صِفَةُ يَكُوْنُ وَمَا كَانَ لِأَجْلِ الْكَوْنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ یعنی

الْكَوْنَ ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ يَعْنِى الْمُكَوِّنَ، فَأَعْمَالُ الْمُخْلِصِيْنَ دَاخِلَةٌ فِيْ حُكْمِ الْبَقَاءِ لِأَجْلِ الْكَوْنِ وَأَعْمَالُ الْمُرَائِيْنَ دَاخِلَةٌ فِيْ حُكْمِ الْفَنَاءِ لِأَجْلِ أَنْ يَّطْلُبُوْا بِهَا عِزَّةً وَّ قُوَّةً"

ترجمہ: "فنا کون کی صفت ہے اور بقا یکون کی صفت ہے کون کے سبب سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمن: 26) یعنی کون (یعنی کائنات اور بنائی ہوئی اشیاء) ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (الرحمن: 27) یعنی مکوِّن، اور وہ باقی رہے گا۔ یعنی مکوِّن (خالق) کی ذات باقی رہے گی۔ تو مخلصین کے اعمال بقا کے حکم میں داخل ہیں کون کی وجہ سے، اور ریاکاروں کے اعمال فنا کے حکم میں داخل ہیں، اس وجہ سے کہ وہ اس سے عزت اور قوت چاہتے ہیں"۔

تشریح:

یوں کہہ سکتے ہیں کہ سارے اعمال ہیں، لیکن ان اعمال میں نیت کیا ہے اور وہ اعمال کس کے لئے ہیں؟ اگر وہ کسی فانی چیز کے لئے ہیں، تو وہ اعمال بھی فانی ہیں اور ختم ہو گئے۔ اور اگر وہ باقی کے لئے ہیں، تو اعمال بھی باقی ہیں۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (الرحمن: 27-26)

ترجمہ: "اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی"۔

اس میں "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" اللہ کے علاوہ ہے۔ اس سے پتا چلا کہ اللہ باقی ہے۔ لہٰذا اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے عمل کرو گے، تو وہ اللہ کے علاوہ کے لئے ہو جائے گا اور فانی ہو جائے گا۔ باقی تب ہی رہے گا، جب صرف اللہ کے لئے ہو گا۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے: میں تمام شریکوں سے بے نیاز ہوں اور اگر کوئی کام کچھ میرے لئے بھی کرتا ہے اور اوروں کے لئے بھی کرتا ہے، تو میں اپنا حصہ بھی ان کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو حصہ غیر اللہ کے لئے ہے، وہ تو فانی ہے اور فنا ہو گیا ہے۔ جب وہ فنا ہو گیا، تو جو حصہ اللہ کے لئے تھا، وہ بھی اس کے ساتھ چلا گیا، کیونکہ عمل مکمل نہیں ہوا۔ جیسے: آپ نماز آدھی پڑھ کر چھوڑ دیں، مثلاً: دو رکعت کی نماز آپ ایک رکعت پڑھ کے سلام پھیر دیں، تو آپ کو کتنی رکعتوں

کا ثواب ملے گا؟ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ آپ نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ مکمل کریں گے تب ہی ثواب ملے گا۔ چنانچہ جب آپ نے لوگوں کے لئے عمل کیا، تو اس کا ایک جزو اس کے ساتھ چلا گیا، تو باقی جزو بھی اس کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی رد فرما دیتے ہیں۔ شرک میں اور کفر میں یہی فرق ہے کہ کفر میں انکار ہے، شرک میں اقرار ہے، لیکن ناکافی اقرار ہے، کچھ اللہ کے لئے اور کچھ دوسروں کے لئے ہے۔ مکہ کے جتنے بھی مشرکین تھے، وہ اللہ کو مانتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو کہیں گے کہ اللہ نے کیا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ کو مانتے تھے، لیکن باقی چیزیں کو بھی ساتھ رکھتے تھے کہ یہ بھی ناراض نہ ہو جائیں، اللہ بھی ناراض نہ ہو اور وہ بھی ناراض نہ ہوں۔ اس لئے اگر ہم خدانخواستہ اس طرح کریں گے، تو ہمارا سب کچھ گیا۔ لہٰذا اگر فانی چیزوں کے لئے کوئی عمل کیا جائے گا، تو وہ فنا کو ساتھ لئے ہوئے ہو گا اور وہ فنا ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ ترمذی شریف کی روایت میں بالکل وضاحت کے ساتھ ہے کہ ایک عالم، ایک سخی اور ایک شہید، تینوں کو جہنم میں گرایا جائے گا۔ اس کی وجہ کیا ہو گی؟ حالانکہ عالم اقرار کرے گا کہ یا اللہ! میں نے اپنے علم کو تیرے لئے استعمال کیا، شب و روز میں دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ اللہ پاک فرمائیں گے: نہیں! میرے لئے نہیں، بلکہ اس لئے کرتا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے، سو تجھے عالم کہا جا چکا ہے۔ فرشتے بھی اقرار کریں گے۔ پھر سخی کی باری آئے گی، پھر شہید کی باری آئے گی۔ یہی مطلب ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ (الرحمن: 27-26) کا۔ اس لئے ہمارا کوئی کام بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ ہو۔ ہاں طریقہ حضور ﷺ کا ہونا چاہئے، اور وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ میرے حبیب ﷺ کا ہی طریقہ ہو۔ گویا طریقہ تو حضور ﷺ نے بتایا ہے، لیکن کریں گے اللہ کے لئے، کسی اور کے لئے نہیں کریں گے۔ لیکن اس میں ایک بہت باریک بات ہے، اس کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنے کے لئے کوئی عمل کرتا ہے اور وہ عبادت کے زمرے سے نہیں ہے تو اس پر اجر ملتا ہے، کیونکہ یہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ بعض لوگوں کو یہی چیز نہیں سمجھ میں آتی کہ تطییبِ

قلبِ مومن پر بھی اجر ہے۔ والدین کو محبت کے ساتھ دیکھنے پر اجر ہے۔ علماء کو محبت کی نظر سے دیکھنے پر اجر ہے۔ کیونکہ وہ علماء کے لئے نہیں، اللہ کے لئے ہے۔ وہ والدین کے لئے نہیں، اللہ کے لئے ہے۔ لیکن ہے اس ذریعے سے۔ اس لئے یہ شرک نہیں ہے۔ اسی پر لوگ بحث کرتے ہیں کہ یہ تو ہاتھ چومتے ہیں، یہ تو شرک ہو گیا۔ خدا کے بندے! ہاتھ چومنا اور چیز ہے، عبادت کرنا اور چیز ہے۔ یہ بہت باریک بات ہے، جو میں عرض کر رہا ہوں۔ کیا ہاتھ چومنے کو کوئی عبادت سمجھتا ہے؟ یہ عبادت تو نہیں ہے۔ آپ کسی کو اچھے نام سے پکاریں، ادب سے پکاریں، تو کیا شرک ہے؟ آپ ﷺ کو صحابہ کرام کس طرح پکارتے تھے؟ ”فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ“ کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ!، کیا خیال ہے، یہ شرک ہے؟ آپ ﷺ جب وضو فرماتے تھے، تو وضو کا پانی صحابہ کرام نیچے نہیں گرنے دیتے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی تھوک مبارک کو بھی نہیں گرنے دیتے تھے۔ وہ جو ایک شخص معاہدے کے لئے آیا تھا اور ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، بعد میں مسلمان ہوا تھا، اس نے جب یہ حالت دیکھی، تو جا کر اپنی قوم میں بیان کیا کہ ان سے مقابلہ مشکل ہے۔ ان سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں کو دیکھا ہے، ان کے لوگ بادشاہوں کا اتنا خیال نہیں رکھتے، جتنا صحابہ اپنے نبی کا خیال رکھتے ہیں۔ جب ان کے نبی وضو کرتے ہیں، تو وہ پانی نیچے نہیں گرنے دیتے۔ جب وہ تھوکتے ہیں، تو وہ اس کو تبرک سمجھ کر اپنے ہاتھوں پہ روک لیتے ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سینگیوں سے جو خون نکلا تھا، آپ ﷺ نے ایک صحابی کو اسے دفن کرنے کے لئے دیا، تو انہوں نے وہ خون خود پی لیا، اور واپس آ گئے اور بتایا بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا خون دفن کر دیا؟ انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا: یا رسول اللہ! وہ تو میں پی چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے بشارت دی کہ میرے جسم کا کوئی حصہ جس جسم میں گیا ہے، جہنم اس پہ حرام ہے۔ یہ کیا چیز تھی؟

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے اُگل دان کا پانی ملا کر پی لیا تھا۔ یہ باتیں اور ہیں۔ ادب، محبت، عزت یہ چیزیں عبادت نہیں ہیں۔ ہاں اگر آپ نیت میں کسی اور کو شریک کر لیں، چاہے کسی بھی عمل میں ہو، اور وہ اللہ کے لئے نہ ہو، تو پھر

وہ عمل ضائع ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ"۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1) لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو آپ کے لئے ذریعہ بنایا ہے، ان کی قدر بھی اللہ پاک ہی کرواتے ہیں۔ جیسے: والدین کی قدر کرواتے ہیں، اساتذہ کی قدر کرواتے ہیں۔ اس لئے یہ بات الگ ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے، ورنہ معاملہ مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی چیزیں ہیں کہ جن کو ان کی سمجھ نہیں آتی، تو وہ اپنے لئے معاملہ مشکل کر لیتے ہیں۔ وہ تعظیم کو بھی شرک سمجھنے لگتے ہیں، محبت کو بھی شرک سمجھنے لگتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ایک عجیب دعا ہے، اللہ کرے کہ ہمارے حق میں بھی قبول ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ"۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر: 3235)

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں، اور ہر اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تیرے ساتھ محبت رکھتا ہے، اور ہر اس عمل کا سوال کرتا ہوں، جو تیری محبت تک پہنچائے"۔

کیا اس میں کچھ باقی رہ گیا ہے؟ سارے انبیاء آ گئے، سارے اولیاء آ گئے، سارے صحابہ آ گئے۔ کیونکہ یہ سب اللہ سے محبت کرنے والے تھے، ان کی محبت مطلوب ہو گئی۔ اور "وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ" میں اللہ کی محبت کو حاصل کرنے والی جتنی بھی چیزیں ہیں، ساری اس میں آ گئیں۔ یہ خانقاہیں آ گئیں، مدارس آ گئے، سارے ذرائع اس میں آ گئے۔ بس یہی بات ہے کہ ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ توحید ضروری اور لازم ہے۔ جیسے حرام کو حلال کہنا جرم ہے، اسی طرح حلال کو حرام کہنا بھی جرم ہے۔ کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کام میں ہاتھ ڈالا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ قانون ہاتھ میں لینا جرم ہے۔ شریعت کو ہاتھ میں لینا تو اور بڑا جرم ہے۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے قانون کو ہاتھ میں لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا تعلق خاص نصیب فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فیوضاتِ خانقاہ: ایک نظر معمولات پر

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ، راولپنڈی کا ماحول سراپا نور و معرفت ہے، جہاں روزانہ روحانی تربیت، علمی دروس، اور اصلاحی مجالس کا تسلسل جاری ہے۔ حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی علالت کے باعث اس وقت خانقاہ کے مختلف معمولات آپ کے خلفا کے زیرِ انتظام جاری ہیں، جن سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ اس خاکے میں خانقاہ کے ہفتہ وار معمولات کی جھلک پیش کی جا رہی ہے، تاکہ قارئین کو اس روحانی نظام سے واقفیت اور رغبت حاصل ہو:

روزانہ (صبح) نمازِ فجر کے بعد روزانہ تین مختصر مگر پُراثر بیانات ہوتے ہیں:

درسِ قرآن

ریاضُ الصالحین سے ایک حدیث شریف

مطالعۂ سیرت بصورتِ سوال و جواب

(بیان: حضرت مفتی محمد صدیق عمر صاحب دامت برکاتہم)

جمعۃ المبارک:

ختمِ قرآن، مجلسِ درود شریف، اور جمعہ کی آخری گھڑیوں (عصر تا مغرب) میں خصوصی دعا (بیان: حضرت سید عبید الرحمن صاحب دامت برکاتہم)

ہفتہ:

نمازِ مغرب کے بعد:

"فہم التصوف" از حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

"تربیت السالک" از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

(درس: حضرت ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار):

مرد حضرات کے لیے اصلاحی و تربیتی جوڑ:

مجلسِ ذکر

مسنون اعمال کی تعلیم
نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات
ختمِ قرآن و نمازِ اشراق

اتوار:

11:00 تا 12:00 بجے (خواتین کے لیے اصلاحی بیان)
شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ
(بیان: حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم)
نوٹ: ہر ماہ کسی ایک اتوار کو صبح 9 تا 12 بجے خواتین کا خصوصی تربیتی جوڑ ہوتا ہے (فی الحال حضرت کی علالت کے باعث موقوف ہے)

نمازِ مغرب کے بعد:
"انفاسِ عیسیٰ" کا درس
(بیان: حضرت ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

رات 08:30 بجے:
انگریزی بیان
(بیان: حضرت زین العابدین صاحب دامت برکاتہم)

پیر:

بعد نمازِ عصر:
پشتو بیان
(بیان: حضرت حافظ جلال محمود صاحب دامت برکاتہم)

بعد نمازِ مغرب:
اصلاحی سوالات کے جوابات (موصولہ وٹس ایپ، ای میل، ٹیلی فون کے ذریعے)
(جوابات: حضرت ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

منگل:

نمازِ مغرب کے بعد:
مثنوی شریف کے اشعار کا اردو ترجمہ و تشریح
(بیان: حضرت عامر عثمان صاحب دامت برکاتہم)

بدھ:

نمازِ مغرب کے بعد:
مکتوباتِ امام ربانیؒ کا درس
(بیان: حضرت حسین احمد صاحب دامت برکاتہم)

جمعرات:

نمازِ مغرب کے بعد:
"اسوۂ رسول اکرم ﷺ" از حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کا درس
درودِ تنجینا کی مجلس (ہزار مرتبہ)، نعت شریف، چہل درود، اور مناجاتِ مقبول سے دعا
(بیان و دعا: حضرت سید عبید الرحمن صاحب دامت برکاتہم)

یہ معمولات صرف وقت کی ترتیب نہیں بلکہ ایک روحانی نظامِ تربیت کی آئینہ دار ہیں۔ جو حضرات و خواتین اللہ کی طرف رجوع، قلبی طہارت، اور سلوک و تصوف کے حقیقی معانی سے آشنا ہونا چاہتے ہوں، ان کے لیے یہ خانقاہی نظام ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ آئیں، ان مبارک لمحات سے استفادہ کریں، اور اپنا تعلق ذکر، فکر اور عمل سے مضبوط بنائیں۔

ان بیانات کو براہِ راست سننے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: live.tazkia.org

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

0315 5195788 حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے

www.tazkia.org